کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ

خط و کتابت کورس :

قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی

سے استفادہ کیجئے!

——— نیز ———

اللہ کے پر تاثیر کلام سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہونے کی خاطر
عربی زبان سیکھنے کے لئے، اس کے ابتدائی قدم کے طور پر

عربی گرائمر خط و کتابت کورس

میں داخلہ لیجئے!

مزید برآں ترجمہ قرآن حکیم کورس میں بھی داخلے جاری ہیں

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس کے حصول کے لئے رابطہ کیجئے :

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی، 36۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 5869501

14 APR 1998

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۱۷ — ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ — اپریل ۱۹۹۸ء — شمارہ ۴

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بکری۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون ۸۰/- روپے، فی شمارہ ۸/- روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

یہ بات اکثر قارئین کے علم میں ہو گی کہ اِن دنوں مرکزی انجمن خدام القرآن کے صدر مؤسّس محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلّہ اپنے گھٹنوں کے بڑے آپریشن کے سلسلہ میں ملک سے باہر ہیں۔ گھٹنوں کی تکلیف گزشتہ تین چار سال سے بہت شدت اختیار کر گئی تھی اور ماہر معالجین تین سال قبل اِس رائے تک پہنچ چکے تھے کہ "تبدیلیٔ گھٹنا یعنی "Total Knee Replacement" ہی مسئلے کا واحد حل ہے۔ اکثر معالجین کی رائے یہ تھی کہ اس آپریشن میں تاخیر غیر مناسب ہو گی۔ تاہم بعض وجوہات کی بنا پر اس آپریشن میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ ان میں ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ محترم ڈاکٹر صاحب شروع میں اس بارے میں متردد رہے کہ یہ آپریشن پاکستان میں کرایا جائے یا امریکہ میں ـــــ امریکہ میں مقیم رفقاء واحباب کے حلقے میں شامل ڈاکٹر اور سرجن حضرات کا اصرار تھا کہ آپریشن کے سلسلے میں جو سہولتیں اور خصوصاً بعد از آپریشن نگہداشت اور فوری ضروری علاج کا جتنا عمدہ انتظام امریکہ میں ہے اس کا عُشرِ عشیر بھی پاکستان میں دستیاب نہیں ہے' لہٰذا یہ سوچنا ہی غلط ہو گا کہ یہ آپریشن پاکستان میں کرایا جائے۔ تاہم گزشتہ سال کے وسط تک محترم ڈاکٹر صاحب کا فیصلہ تھا کہ وہ پاکستان ہی میں آپریشن کرائیں گے اور اس ضمن میں معروف آرتھوپیڈک سرجن ڈاکٹر عامر عزیز سے مسلسل رابطہ تھا جو ہر طرح سے تعاون کیلئے تیار ہی نہیں بے تاب تھے ـــــ لیکن گزشتہ سال نومبر میں تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے کنونشن کے موقع پر وہاں کے بعض سینئر رفقاء نے محترم ڈاکٹر صاحب کے آپریشن کے حوالے سے نہایت جذباتی بلکہ رِقّت آمیز تقاریر کیں۔ امیر محترم نے ۱۳ جنوری کو قرآن اکیڈمی کراچی سے رفقاء تنظیم کے نام جو مفصل خط تحریر کیا تھا' جو بعد میں "ندائے خلافت" میں شائع بھی ہوا' اس میں اس معاملے کا تذکرہ اِن الفاظ میں ہے :

> "میرے گھٹنوں کے عارضے کے ضمن میں تو تنظیم کے ملتزم رفقاء کی عظیم اکثریت نے تو فیصلہ دے ہی دیا تھا کہ اب آپریشن میں مزید تاخیر نہیں ہونی چاہئے اور یہ آپریشن امریکہ ہی میں کرایا جانا چاہئے۔ تاہم میں خود اور میرے جملہ اہل خانہ

بالخصوص میری اہلیہ نومبر ۹۷ء کے اواخر تک اس پر جازم تھے کہ آپریشن لاہور ہی میں کرایا جائے گا۔ لیکن اواخر نومبر میں تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کا جو سالانہ اجتماع ہوسٹن (ٹیکساس' امریکہ) میں ہوا۔ اس میں تنظیم کے ملتزم رفقاء کا جو خصوصی اجلاس منعقد ہوا اس کے بعد مجھے ہتھیار ڈال دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔ اس لئے کہ اس موقع پر متعدد سینئر رفقاء نے جس اصرار و الحاح بلکہ رقت آمیز انداز میں مجھ سے اپیل کی (یہاں تک کہ بعض رفقاء بالفعل رونے بھی لگے' جس پر خود میں بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا) اس پر سوائے "سپرانداختن" کے کوئی اور طرز عمل ممکن ہی نہیں تھا (رقت کے باعث بولنا بھی ممکن ہی نہیں تھا!)۔ البتہ بعد میں' میں نے اس فیصلے کا اعلان کر دیا کہ میں اس پورے معاملے کو "سپردم بتو مایۂ خویش را" کے انداز میں اولاً اللہ تعالیٰ کے اور ثانیاً بالکلیہ تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے حوالے کرتا ہوں ـــــ ادھر وہ حضرات تو جیسے سبز جھنڈی کی ذرا سی حرکت ہی کے منتظر تھے۔ چنانچہ جھٹ پٹ فیصلہ ہو گیا کہ میرے پہلے سے اعلان شدہ پروگراموں کی تکمیل کے فوراً بعد ـــــ یعنی لگ بھگ مارچ ۱۹۹۸ء میں ڈیٹرائٹ کے مشہور ہنری فورڈ ہاسپٹل میں آپریشن کرایا جائے گا"۔

بحمد اللہ' طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۶ مارچ کو پاکستانی وقت کے مطابق ساڑھے نو بجے شب امریکہ کے شہر ڈیٹرائٹ میں محترم ڈاکٹر صاحب کے دونوں گھٹنوں کا بیک وقت آپریشن ہوا۔ یہ آپریشن قریباً چار گھنٹوں پر محیط تھا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ مرحلہ بخیر و خوبی طے ہو گیا۔ آپریشن کے بعد تین چار روز اگرچہ خاصی تکلیف میں گزرے اور پیٹ میں اپھارے کی شکایت بھی رہی تاہم کوئی بڑی پیچیدگی بحمد اللہ پیدا نہیں ہوئی۔ حال ہی میں محترم ڈاکٹر صاحب سے جو رابطہ ہوا ہے اس سے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اب تکلیف میں خاصا افاقہ ہے۔ ڈیٹرائٹ میں محترم ڈاکٹر صاحب کے خصوصی معالج ڈاکٹر سراج الحق نے تازہ ترین صورتحال کے بارے میں ای میل کے ذریعے جو اطلاع رفقاء و احباب کے نام بھیجی ہے وہ حسب ذیل ہے :

"محترم ڈاکٹر صاحب آپریشن کے بعد صحت یابی کے مرحلے میں ہیں۔ سرجری کے بعد پیش آنے والے معمول کے مسائل کے علاوہ کوئی بڑی پیچیدگی نہیں ہوئی

ہے۔ آج محترم ڈاکٹر صاحب بستر سے اتر کر آٹھ دس قدم چلے تھے۔ فزیو تھراپی شروع کرنے کے سلسلے میں وہ زیادہ رضامند نہیں ہیں' لیکن یہ بہت ضروری ہے تاکہ وہ جلد از جلد صحت یاب ہو سکیں اور سرجری کی پیچیدگیاں رُونما نہ ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اُن کو اِس سلسلے میں تھوڑا سا Push کرنا پڑے گا۔ فی الحال میں فون کالز یا ملاقاتوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا"۔

محمد سراج الحق' ڈیٹرائٹ

آپریشن سے متصلاً قبل ۲۴ مارچ کو محترم ڈاکٹر صاحب نے رفقاء کے نام ایک اور مفصل خط بذریعہ فیکس ہمیں ارسال کیا تھا جو یکم اپریل کے "ندائے خلافت" میں "آپریشن سے قبل امیر تنظیم اسلامی کا آخری خط" کے عنوان سے شائع کر دیا گیا ہے۔ جو احباب اس خط سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ مذکورہ "ندائے خلافت" کا مطالعہ ضرور فرما لیں۔OO

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

راہِ نجات

سُورۃ العصر کی روشنی میں

جو ایک نہایت وقیع تحریر اور ایک حد درجہ جامع تقریر پر مشتمل ہے

کا نیا ایڈیشن نئی آب و تاب اور عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہو گیا ہے

قیمت اعلیٰ ایڈیشن: -/۳۰ روپے (مضبوط و دیدہ زیب جلد' سفید کاغذ)

" اشاعتِ عام: -/۱۰ " (غیر مجلّد' دبیز اخباری کاغذ)

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن'

دراس ۱۰

تعمیرِ سیرت کی اساسات

اور قرآن کا انسانِ مطلوب

سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج کی روشنی میں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ﴾ —— صدق اللّٰہ العظیم

"کامیاب اور بامراد ہوئے اہل ایمان' جو اپنی نمازوں میں خشوع سے کام لیتے ہیں' اور جو بیکار اور بے مقصد باتوں سے احتراز کرتے ہیں' اور جو تزکیہ نفس پر مسلسل کاربند رہتے ہیں' اور جو اپنی شرم گاہوں یعنی اپنی شہوت کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں یا باندیوں کے' لہٰذا ان کے اس معاملے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے' لیکن جو کوئی اس سے تجاوز کرے گا تو وہی حد سے بڑھ جانے والے ہیں' اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی پابندی کرتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو وارث بنیں گے' جنہیں جنت الفردوس کی وراثت ملے گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔"

درس ۱۰

تعمیرِ سیرت کی اساسات

اور قرآن کا انسانِ مطلوب

سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج کی روشنی میں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○ ﴾ —— صدق اللّٰہ العظیم

"کامیاب اور بامراد ہوئے اہل ایمان' جو اپنی نمازوں میں خشوع سے کام لیتے ہیں' اور جو بیکار اور بے مقصد باتوں سے احتراز کرتے ہیں' اور جو تزکیہ نفس پر مسلسل کاربند رہتے ہیں' اور جو اپنی شرم گاہوں یعنی اپنی شہوت کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں یا باندیوں کے' لہٰذا ان کے اس معاملے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے' لیکن جو کوئی اس سے تجاوز کرے گا تو وہی حد سے بڑھ جانے والے ہیں' اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی پابندی کرتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو وارث بنیں گے' جنہیں جنت الفردوس کی وراثت ملے گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔"

یہ سورۃ المومنون کی ابتدائی گیارہ آیات ہیں' جن پر ہمارے اس منتخب نصاب کا دسواں سبق مشتمل ہے۔ اسی سبق سے اس منتخب نصاب کے تیسرے حصے کا بھی آغاز ہوتا ہے' جو قرآن حکیم کے چند ایسے منتخب مقامات پر مشتمل ہے جن میں اعمال صالحہ کی کسی قدر تفصیل بیان ہوئی ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے عملی اور اخلاقی پہلو اُجاگر کئے گئے ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل اس سلسلۂ درس میں اب تک ہونے والے تمام دروس میں بلا استثناء ایمان کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے عملی اور اخلاقی پہلوؤں کا بھی ذکر ہوا ہے' اور ایمان کے عملی تقاضے' ایمان کے عملی لوازم' ایمان کے عملی اور اخلاقی نتائج قریباً تمام اسباق میں ہمارے سامنے آتے رہے ہیں' لیکن اس حصے میں بنیادی طور پر ہماری توجہ اعمال صالحہ ہی کی بحث پر مرتکز رہے گی ـــــ اور اس میں جو تدریج پیش نظر ہے اسے آپ پہلے ہی سے ذہن نشین فرمالیں۔ وہ یہ کہ سب سے پہلے ہم ایک فرد' ایک شخص' ایک انسان کی سیرت و کردار میں جو اوصاف مطلوب ہیں' ان کے اعتبار سے قرآن مجید کے بعض مقامات کا مطالعہ کریں گے۔ گویا کہ ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ قرآن کا انسان مطلوب کیسا ہوتا ہے! جس کی نقشہ کشی علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں "مردِ مؤمن" کے حوالے سے کی ہے ـــــ اس کی کیا خصوصیات ہوتی ہیں! اس کی سیرت و کردار میں کون سے پہلو نمایاں ہوتے ہیں!

پھر یہ بحث ہمارے اس سلسلہ سبق میں دو سطحوں پر آئے گی۔ ایک تو یہ کہ تعمیر سیرت کیلئے اساسات کون سی ہیں۔ یعنی وہ بنیادیں کون سی ہیں کہ جن پر ایک اعلیٰ سیرت و کردار کی عمارت تعمیر ہو سکتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہر عمارت کی ایک بنیاد ہوتی ہے' اسی بنیاد پر وہ عمارت اٹھتی ہے اور اسی بنیاد کے مستحکم ہونے پر اس عمارت کے استحکام کا دارومدار ہوتا ہے۔ لہٰذا تعمیر ذات یا تعمیر سیرت یا اگر علامہ اقبال کی اصطلاح مستعار لی جائے تو تعمیر خودی کیلئے قرآن مجید کیا لائحہ عمل پیش کرتا ہے اور اس کی اساسات کیا ہیں! پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ جب ان بنیادوں پر ایک انسانی شخصیت کی بتمام و کمال تعمیر ہو جاتی ہے تو اس کے امتیازی خدوخال کیا ہوتے ہیں! اس میں جو حسن اور جو دل کشی پیدا ہوتی ہے وہ کن اوصاف کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ مردِ مؤمن کے بارے میں علامہ اقبال کا ایک شعر ہے ؎

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مؤمن!
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مؤمن

تو مؤمن کی شخصیت کی جو دل آویزی ہے وہ کون کون سی خصوصیات اور اس کے کون کون سے اوصاف پر مبنی ہے!

پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ جب ایک فرد سے آگے بڑھ کر ایک خاندان وجود میں آتا ہے تو خاندان اور عائلی زندگی کے سلسلہ میں قرآن مجید ہمیں کیا رہنمائی دیتا ہے اور اس کی عملی تشکیل کے لئے کیا اصول دیتا ہے! قرآن مجید کے نزدیک ایک اچھا خاندان کون سا ہے! اس کے خصائص و اوصاف کیا ہیں!

اس سے ہم جب آگے بڑھیں گے تو دیکھیں گے کہ خاندانوں کے مجموعے سے ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اس انسانی معاشرے میں کن اقدار و اوصاف کو قرآن مجید چاہتا ہے کہ وہ نافذ اور رائج ہوں! قرآن مجید کو کن Values کی ترویج ایک معاشرے میں اصلاً مطلوب ہے! اور ازروئے قرآن وہ کون سی سماجی خرابیاں اور برائیاں (Social Evils) ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ انسانی معاشرے سے دُور رہیں اور ان کا استیصال کیا جائے۔ پھر اس عمل صالح کی بحث کی بلند ترین سطح یہ ہوگی کہ ملت و ریاست کی سطح پر' حکومت اور نظام حکومت کی سطح پر قرآن مجید ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے!

اس ضمن میں یہ ہمارا پہلا سبق ہے' جس میں دراصل وہ اساسات بیان ہوئی ہیں اور وہ بنیادیں معین کی گئی ہیں جن پر ایک مردِ مؤمن کی شخصیت کی تعمیر ہو سکتی ہے ـــــ یا یوں کہہ لیجئے کہ انسانی سیرت و کردار کی پختگی کے لئے جو لوازم ہیں' ان کا تعین کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر آپ کے ذہن میں ہوگا کہ ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹّی کا اِک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

اِس سبق میں ہمارے سامنے یہ بات واضح ہو کر سامنے آئے گی کہ انسانی سیرت و کردار کی پختگی اور استحکام کے لئے کون سی محنت ضروری ہے' اور وہ کونسی مشقت اور ریاضت ہے

جس کی طرف قرآن مجید رہنمائی کرتا ہے!

بندۂ مومن کے مطلوبہ اوصاف

اب آپ نوٹ کیجئے کہ سورۃ المومنون کی ابتدائی گیارہ آیات میں چند اوصاف سلسلہ وار بیان ہوئے ہیں۔ ان میں اہم ترین وصف ہے صلوٰۃ' جس کا ترجمہ ہم عام طور پر "نماز" کرتے ہیں۔ اس ضمن میں خاص طور پر نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ اوصاف کی اس فہرست میں آغاز بھی نماز سے ہوا ہے اور اختتام بھی۔ آغاز میں فرمایا گیا : ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○﴾ "کامیاب ہو گئے وہ اہل ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع سے کام لیتے ہیں"۔ پھر چند اوصاف بیان کرنے کے بعد آخری وصف بیان ہوا : ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ○﴾ "اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں" انہیں ضائع نہیں ہونے دیتے ــ معلوم ہوا کہ اس فہرست میں اول بھی نماز ہے' آخر بھی نماز ہے۔ اس سے یہ خصوصی رہنمائی حاصل ہوئی کہ تعمیر سیرت کا جو قرآنی پروگرام اور جولائحہ عمل ہے' اس میں نماز کا نظام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

دوسرا وصف آتا ہے "اِعْرَاض عَنِ اللَّغْوِ" ــــ بے کار باتوں سے احتراز کرنا' بچنا' دامن بچائے رکھنا۔ یعنی انسان اپنے وقت کی قدر و قیمت کا احساس کرے اور اپنے ہر ہر لمحہ کو مفید' بامقصد اور نتیجہ خیز بنائے۔ انسان کا وقت یا تو اِس حیات دنیوی کی کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے صرف ہو رہا ہو' یا اپنی حیات معنوی کی تطہیر اور اس کے تزکیہ کے لئے صرف ہو رہا ہو' یا حیات اُخروی کے لئے کچھ کمانے اور بنانے میں صرف ہو رہا ہو۔ ان کاموں کے سوا وقت کا صَرف ضیاع بھی ہے اور زیاں بھی۔

تیسرا وصف آتا ہے : ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○﴾ "وہ لوگ جو زکوٰۃ پر عمل کرتے رہتے ہیں۔" یہاں نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں عموماً زکوٰۃ کے ساتھ لفظ "اِیْتَاء" آتا ہے۔ جیسے اٰتَی الزَّكٰوةَ۔ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ لیکن یہاں آپ نے دیکھا کہ بالکل مختلف فعل استعمال ہوا : ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○﴾ یہاں فاعلون یہ مفہوم ادا کر رہا ہے کہ مسلسل کوشاں رہتے ہیں' مسلسل کاربند رہتے ہیں۔ اس کا مفہوم

یہ ہو گا کہ تزکیہ نفس کے لئے ان کی جدوجہد مسلسل جاری رہتی ہے۔

چوتھا وصف ہے اپنے جنسی جذبہ یعنی اپنی شہوت پر کنٹرول (Sex discipline) کہ اس کی تسکین کے لئے قرآن مجید نے جو جائز راہ معین کر دی ہے' اس پر اکتفا کیا جائے۔ اس کے بارے میں یہ بھی صراحت کر دی گئی کہ ان جائز راہوں سے اگر کوئی اپنے اس جذبہ کی تسکین کرتا ہے تو اس میں ہرگز کوئی ملامت والی بات نہیں ہے۔ جنسی جذبہ (Sexual Instinct) فی نفسہٖ شر نہیں ہے' برائی نہیں ہے' evil نہیں ہے۔ اس کا غلط استعمال درحقیقت برائی ہے۔ اگر اس میں انضباط (Discipline) ہو اور اس میں بے راہ روی اور کجروی (Pervertion) نہ ہو' یعنی اس میں نہ تو بے قابو ہونے کی کیفیت پیدا ہو اور نہ جائز راہوں سے انحراف ہو' تو فی نفسہٖ یہ کوئی ملامت والی بات نہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا : ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○﴾

غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں جائز راستوں کی اجازت کے لئے "غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ" کا اسلوب کیوں اختیار کیا گیا! اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں تجرد کی زندگی بسر کرنا اور اپنے جنسی جذبہ کو' جو فطرت اور جبلت میں ایک نہایت قوی جذبہ ہے' کچلنا ایک اعلیٰ ترین روحانی قدر قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ اسلام دین فطرت ہے' چنانچہ وہ اس فطری و جبلی جذبہ کو بالکلیہ کچلنے اور دبانے کو قطعی پسند نہیں کرتا۔ اس کا منشاء و مدعا یہ ہے کہ اس جذبہ کی تسکین کے لئے جائز اور حلال راہیں اختیار کی جائیں ـــــ نکاح کو اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اپنی سُنّتوں میں سے ایک سنت قرار دیا ہے۔ آپ میں سے اکثر حضرات نے یہ حدیث سنی ہو گی جو ہر خطبۂ نکاح میں پڑھی جاتی ہے کہ : ((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ)) "نکاح میری سُنّت میں سے ہے"۔ اسی کے ساتھ ایک دوسری طویل حدیث کا یہ آخری حصہ بھی پڑھا جاتا ہے کہ : ((وَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ)) "جس کو میری سُنّت پسند نہیں اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"۔

اس مقام پر جہاں جنسی تسکین کے لئے جائز راہوں کی طرف رہنمائی کی گئی وہاں اس کے ساتھ ہی فرمادیا گیا : ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○﴾ "تو جو کوئی

ڈھونڈے (اختیار کرے' پسند کرے) اس کے سوا کوئی اور راہ تو وہی لوگ ہیں حد سے بڑھنے والے" (یعنی طاغی اور باغی)۔

اگلی آیت میں دو اوصاف آئے۔ گویا پانچواں وصف امانتوں کی پاسداری اور چھٹا وصف ایفاء عہد۔ فرمایا : ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝﴾ "اور وہ لوگ (فلاح پاگئے) جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں"۔ امانت داری اور ایفائے عہد کے معاملات میں چوکس رہتے ہیں۔

یہ چھ اوصاف گویا Corner stones ہیں۔ یہ وہ اساسات اور بنیادیں ہیں کہ جن پر انسانی شخصیت کی اُس رخ پر تعمیر کا عمل مبنی ہو سکتا ہے جس رخ پر اللہ کو انسان کی شخصیت کی تعمیر پسند ہے۔ تعمیرِ ذات' تعمیرِ سیرت' تعمیرِ کردار کے بھی مختلف معیارات ہو سکتے ہیں۔ مختلف نظریات اور مختلف فلسفوں پر مبنی انسانی سیرت و کردار کے مختلف ہیولے لوگوں کے ذہنوں میں ہو سکتے ہیں' لیکن اللہ کے انسان مطلوب یا قرآن کے مردِ مؤمن کی جو سیرت و کردار اس کے خالق و مالک اور پروردگار کو مطلوب ہے اس کی تعمیر کے لئے یہ چھ ناگزیر' لابُدی' اٹل (Inevitable) اساسات ہیں ـــــ ان چھ اوصاف کے بیان کے بعد پھر نماز کا ذکر فرمایا گیا تاکہ دین میں نماز کی جو اہمیت ہے وہ مستحضر رہے اور ایک مردِ مؤمن جان لے کہ تعمیرِ سیرت کا اہم ترین عامل نماز کی حفاظت ہے۔ چنانچہ فرمایا :

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝﴾

آخر میں ان لوگوں کو جو اپنے اندر یہ اوصاف مستقل طور پر پیدا کرلیں اور ان اساسات پر اپنی سیرت و کردار کی تعمیر کرلیں' بشارت دی گئی ہے کہ یہی لوگ جنّت الفردوس کے وارث ہوں گے' جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے : ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾

سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج کی آیات کا تقابل

قرآن حکیم کا یہ اسلوب ہے کہ اس میں جو مضامین بتکرار و اعادہ یعنی بار بار آئیں گے گویا ان کی اہمیت مسلّم ہوتی چلی جائے گی۔ چنانچہ انتیسویں (۲۹) پارے میں سورۃ

المعارج کی آیات ۱۹ تا ۳۵ میں بھی تعمیر سیرت کے یہی لوازم بیان ہوئے ہیں۔ ان دونوں مقامات کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کس قدر مشابہت ہے۔ سورۃ المعارج میں فرمایا گیا : ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ ﴾ "یقیناً انسان تھڑدلا اور کم ہمت پیدا ہوا ہے"۔ ﴿ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ ﴾ "جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے" فریاد کرتا ہے' نالہ وشیون کرتا ہے۔ ﴿ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ ﴾ "لیکن جب اس کو کوئی خیر ملتا ہے (مال و دولت ہاتھ آتی ہے' اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتا ہے) تو ان کو روک روک کر رکھتا ہے۔" سینت سینت کر رکھتا ہے' دوسروں تک انہیں پہنچنے نہیں دیتا —— یہ دراصل انسان کی سیرت کی اس خامی کی طرف اشارہ ہے جس سے انسان کی رستگاری اور اس کو آزادی دلانا اس پروگرام کا مقصد ہے۔

آگے فرمایا : ﴿ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴾ "سوائے اُن کے جو نماز کے خوگر اور عادی ہو گئے ہوں" —— یہاں نماز کی اتنی اہمیت سامنے آئی کہ وہاں جو "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" کے الفاظ وارد ہوئے تھے اُن کی بجائے یہاں لفظ "مُصَلِّيْنَ" آیا۔ گویا مؤمن اور نمازی مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں —— آگے فرمایا : ﴿ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ ﴾ "جو اپنی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں" ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔

آگے فرمایا : ﴿ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ ﴾ "اور وہ لوگ جن کے اموال میں معین اور معلوم حق ہے مانگنے والوں کے لئے بھی اور ان لوگوں کے لئے بھی جو کسی سبب سے محروم ہو جائیں"۔ یہ گویا سورۃ المومنون کے الفاظ : ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ ﴾ کے مترادف الفاظ ہیں۔

آگے فرمایا : ﴿ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾ "اور وہ لوگ جو روز جزا (یوم قیامت) کی تصدیق کرنے والے ہیں' —— ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ ﴾ "اور وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں' ڈرتے رہتے ہیں"۔ ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ ﴾ "اور واقعتاً ان کے رب کا عذاب ایسی ہی چیز ہے جس سے نچنت نہیں ہوا جا سکتا"۔ جس سے بے خوف ہونا ممکن نہیں ہے۔ ان تین آیات کے بارے میں میں عرض کروں گا کہ ان کا تعلق "اعراض عن

اللّغو" سے ہے۔ یہ ایمان بالآخرت ہے جس کے نتیجہ میں دنیا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہو جاتا ہے' اور اس کا اصل ہے "اِعراض عَنِ اللّغو" یعنی بیکار باتوں سے دامن بچانا' پہلو تہی کرنا ـــــ اس کی قدرے وضاحت ان شاء اللہ اگلے صفحات میں آئے گی۔

اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ بعینہٖ وہ الفاظ دوبارہ آ رہے ہیں جو سورۃ المومنون (آیات ۵-۸) میں آئے تھے : ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ ○﴾ البتہ یہاں ایک چیز کا اضافہ کیا گیا۔ وہ یہ کہ امانت اور عہد کے ضمن میں شہادت پر قائم رہنا' گواہی پر قائم رہنا۔ چنانچہ فرمایا : ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِشَھٰدٰتِھِمْ قَآئِمُوْنَ ○﴾ ـــــ آخر میں وہی نماز کا ذکر پھر آیا : ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ○﴾ جیسے وہاں اول و آخر نماز' ویسے یہاں اول و آخر نماز۔

آگے فرمایا : ﴿اُولٰٓئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ ○﴾ "یہ ہیں وہ لوگ جو جنتوں میں ہوں گے اور وہاں ان کا اکرام و اعزاز ہو گا" ـــــ سورۃ المومنون میں فرمایا تھا : ﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ' ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○﴾ یہاں اِن الفاظ میں بشارت دی گئی : ﴿اُولٰٓئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ﴾

انسانی شخصیت میں کمزوری کے پہلو

سورۃ المومنون کی پہلی آیت ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○﴾ میں ایک اصطلاح وارد ہوئی ہے : "فلح" ـــــ یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے' مثلاً : ﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○﴾ اور سورۃ المعارج کا جو حصہ سورۃ المومنون کی ابتدائی گیارہ آیات کے مشابہ ہے' اس کے آغاز میں الفاظ آئے کہ : ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا ○﴾ "بے شک انسان تھڑدلا اور کم ہمت پیدا کیا گیا ہے"۔ اس کی مزید وضاحت ہوئی : ﴿اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○﴾ "جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے" نالہ و شیون سے کام لیتا ہے' فریاد کرتا ہے' چیختا چلاتا ہے۔ ﴿وَاِذَا مَسَّہُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ○﴾ "اور جب اسے

خیر یا بھلائی یا دولت ملتی ہے تو اسے سینت سینت کر' سمیٹ سمیٹ کر اپنے ہی پاس رکھنے کی کوشش کرتا ہے"۔ اپنے دوسرے ابناء نوع کو اس میں حصہ دار بنانے کی ہمت نہیں رکھتا۔

چنانچہ ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ انسان کی شخصیت میں ضعف اور کمزوری کے وہ کون کون سے پہلو ہیں جن کی نشان دہی قرآن مجید نے کی ہے اور جن کے ازالہ کے لئے انسان کو محنت و مشقت اور ریاضت کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے ایک بڑی عجیب حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایک طرف قرآن مجید انسان کی عظمت کو نمایاں (Emphasise) کرتا ہے کہ یہ بہت اعلیٰ خلقت کا حامل ہے۔ دوسری طرف قرآن مجید انسانی خلقت کے بعض خلا اور اس کی بعض کمزوریوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ ایک طرف بلندیاں ہیں اور ساتھ ہی پستیاں ہیں۔ جیسے سورۃ التین میں فرمایا گیا : ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ○﴾ "ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا' پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچ کر دیا"۔ اس کی بہت خوبصورتی سے شیخ سعدی رحمہ اللہ نے ترجمانی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

آدمی زادہ طرفہ معجون است
از فرشتہ سرشتہ وز حیوان

یہ انسان' آدمی زادہ' حضرت آدم کی اولاد عجیب مرکب وجود کا حامل ہے۔ یہ گویا چوں چوں کا مربہ ہے۔ اس میں ایک جانب بڑی بلندیاں ہیں' وہ بلندیاں جو اسے ملائکہ کا ہم پلّہ ہی نہیں مسجود بناتی ہیں۔ دوسری طرف اس میں ایسی پستیاں ہیں کہ یہ خالص حیوانات کی سطح پر بھی گر جاتا ہے۔ پس اس میں ملکوتیت اور حیوانیت کے اوصاف بیک وقت موجود ہیں ـــــ اگر ہم خود کچھ دروں بینی کی عادت ڈالیں اور اپنے اندر بھی جھانکا کریں تو ہمیں خود محسوس ہو گا کہ یہ دو متضاد تقاضے ہمارے اندر موجود ہیں۔ خیر و شر کے عواطف و میلانات بیک وقت ہمیں اپنے باطن میں محسوس ہوتے ہیں۔ ایک طرف ہمارے اندر نیکی' بھلائی' علوہمت اور کردار کی بلندی کی طرف رجحان بھی موجود ہے اور دوسری طرف پستی کی طرف میلان بھی خود ہمارے اندر موجود ہے۔ اسے ہم تعبیر کرتے ہیں

کشمکشِ خیر و شر سے' جس کے داعیات اور عواطف و میلانات ہمارے اپنے اندر موجود ہیں ـــــ اسی کو علامہ اقبال نے ایک مقام پر "معرکۂ روح و بدن" سے تعبیر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش!
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ!
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

فرائڈ ایک بہت بڑا ماہر نفسیات شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے بہت سے نظریات گمراہ کن بھی ہیں' لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے انسانی نفسیات کا مطالعہ اور مشاہدہ بہت گہرائی میں اتر کر کیا ہے۔ اس کے یہاں انسانی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے ضمن میں جو اصطلاحات ملتی ہیں ان میں ایک طرف "IDD" اور "LIBIDO" ہے' یعنی حیوانی جبلتیں اور حیوانی تقاضے (Animal Instincts) اور دوسری طرف "EGO" اور "SUPER EGO" یعنی "انا" اور "انائے کبیر" بھی موجود ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کو رفعت اور اخلاق کی بلند منزلوں کی طرف کھینچتی ہیں۔

قرآن مجید نے بھی "نفس" کو کہیں تو ایک وحدت کی حیثیت سے لیا ہے تو وہ پستی کا مظہر ہے اور اس کے مقابلہ میں قلب و روح کو بلندی اور رفعت کا مظہر قرار دیا ہے ـــــ کہیں ایسا ہوا ہے کہ نفس ہی کو ایک جامع اصطلاح کے طور پر لے کر اس کی تین حالتوں اور کیفیات کی نشان دہی کی گئی ہے ـــــ ان میں سے پہلی "نفس امارہ" ہے یعنی اس میں برائی' بے حیائی' شہوت' خواہشات اور حیوانی جبلتوں ہی کی طرف سارا میلان اور رجحان ہے۔ چنانچہ تیرھویں پارے کی پہلی آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ نقل ہوئے ہیں : ﴿ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِيْ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ ﴾ "میں کچھ اپنے نفس کی برأت نہیں کر رہا ہوں' نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے"۔

لیکن قرآن مجید دوسری کیفیت "نفس لوامہ" کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اللہ نے اس کی قسم کھائی ہے اور اسے وقوع قیامت پر بطور شہادت پیش کیا ہے جس کا ہم سورۃ

القیامہ میں مطالعہ کر چکے ہیں : ﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۝﴾ چنانچہ برائی پر ملامت کرنے والی چیز بھی انسان کے اپنے اندر موجود ہے۔

پھر "نفسِ مطمئنّہ" ایک بلند ترین کیفیت ہے۔ جب آدمی زادہ حیوانیت سے آزادی اور رُستگاری حاصل کر کے انسانیت کے بلند مقام پر متمکن ہو جائے' قائم ہو جائے' جم جائے' تو یہ ہے نفس مطمئنّہ' جس کا ذکر سورۃ الفجر کے آخر میں ہے : ﴿يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۝﴾ "اے نفس مطمئن! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے"۔ لہٰذا یہ ہیں وہ متضاد میلانات و رجحانات جو انسان کے اندر موجود ہیں۔

مزید توجہ کیجئے۔ قرآن کریم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ انسان مسجودِ ملائک ہے۔ قرآن مجید میں سات مرتبہ اس کا ذکر ہے کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ مزید برآں سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے کہ : ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ "ہم نے انسان کو بڑی عزت بخشی ہے اور ہم اسے بحر و بر میں اٹھائے پھرتے ہیں اور اسے پاکیزہ رزق دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ بنایا ہے اس میں سے بہتوں پر اسے فضیلت عطا کی ہے"۔ یہ بھی اس کا اعزاز و اکرام ہے —— قرآن یہ بھی کہتا ہے : ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۝﴾ "ہم نے انسان کو بہترین خلقت پر پیدا کیا ہے" —— اور سورۂ صٓ کی آیت نمبر ۷۵ میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں : ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ اس انسان کو تو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے {۱} اور اگرچہ قرآن میں تو اس کا

{۱} قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے الفاظ بھی آئے ہیں کہ جو جسم کے مختلف اعضاء کے لئے بولے جاتے ہیں۔ جیسے ہاتھ' چہرہ' پنڈلی' مٹھی' وغیرہ —— ان الفاظ سے ہم یہ مراد لیں گے کہ کوئی حقیقت معنوی ہے جس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اپنے جسموں پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ یا اپنی طرح کا اللہ تعالیٰ کا کوئی چہرہ یا اللہ تعالیٰ کی آنکھ ہم نہیں مان سکتے۔ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے پاک ہے' اعلیٰ ہے' ارفع ہے اور منزہ ہے! "سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ" —— البتہ اجمالاً جب یہ الفاظ آئے ہیں تو ہمارا ایمان رہے گا کہ کوئی حقیقت معنوی ہے جس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ذکر نہیں ہے لیکن تورات میں یہ مضمون بھی آیا ہے کہ

And God created man in his own image"

اور بعینہٖ یہ مضمون حدیث نبویؐ میں بھی موجود ہے کہ : ﴿خَلَقَ اللّٰہُ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ﴾ "اللہ نے آدم کی تخلیق اپنی صورت پر فرمائی ہے" ـــــ اس کو بلا تشبیہ خیال کیجئے۔

اب ایک طرف تو انسان کی عظمتوں کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف قرآن یہ بھی بتاتا ہے : ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ "انسان کمزور پیدا ہوا ہے" ـــــ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا○﴾ "انسان تھڑدلا' کم ہمت پیدا ہوا ہے" ـــــ ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ "انسان کی خلقت میں جلد بازی کا مادہ ہے" یعنی جلد بازی اس کی طبیعت اور سرشت میں ودیعت شدہ ہے۔ کہیں فرمایا جاتا ہے : ﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ﴾ یعنی انسان کے لئے عورتوں سے دلچسپی اور ان کی طرف شہوت کا میلان' اولاد کی محبت اور مال و اسبابِ دُنیا کی مختلف صورتوں کی طرف بھی ایک کشش ہے جو اس میں طبعی طور پر ودیعت کر دی گئی ہے۔ یہ ہے انسان کی حقیقت از روئے قرآن ـــــ

قرآن کا تصوّرِ فلاح

اب غور طلب اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی ان خامیوں' کمزوریوں' اور اپنی خلقت کے ضعف کے حامل ان پہلوؤں سے کشمکش اور کشاکش کر کے' محنت و مشقت اور ریاضت کر کے اپنی جو اصل بلندی اور رفعت ہے اسے attain کرنا ہے' اس کا جو اصل مرتبہ اور مقام ہے اس کو حاصل کرنا ہے۔ جیسے سورۃ التین میں فرمایا : ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ○ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ "ہم نے انسان کو اعلیٰ ترین تخلیق پر پیدا فرمایا' پھر اسے نچلوں میں سب سے نیچے لوٹا دیا' سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے" ـــــ پس اس جدّوجہد کا عنوان "ایمان اور عمل صالح" ہے کہ جس کے ذریعے سے انسان اپنی پستی سے ابھر کر اپنے اس مقام بلند تک پہنچتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بالقوہ (Potentially) تخلیق

فرمایا ہے۔ اس محنت و مشقت اور اس ریاضت کا نام شریعت' طریقت اور سلوک ہے۔ پستی سے بلندیوں تک پہنچنے کے عمل کے لئے قرآن مجید جامع ترین لفظ استعمال کرتا ہے "فلح" ـــــ اب غور کیجئے کہ اس لفظ کا لغوی مفہوم کیا ہے! ہم عام طور پر اس کا ترجمہ کر دیتے ہیں کامیابی' بامراد ہونا۔ لیکن فلح (ف ل ح) ـــــ یہ جو عربی زبان میں سہ حرفی مادہ ہے' اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو توڑنا' پھاڑنا' کسی چیز کو پھاڑ کر اس میں سے کوئی اور چیز برآمد کرنا ـــــ چنانچہ جیسے ہمارے یہاں کہا جاتا ہے کہ "لوہے کو لوہا کاٹتا ہے" اس طرح عربی زبان کی ضرب المثل ہے : "اِنَّ الْحَدِیْدَ بِالْحَدِیْدِ یُفْلَحُ" ـــــ "لوہا لوہے ہی سے کاٹا جاتا ہے"۔ اسی طرح جدید عربی میں فَلَّاح کسان کو کہتے ہیں' کیونکہ وہ اپنے ہل کی نوک سے دھرتی کے سینہ کو چیرتا ہے۔ ہل اس کا آلۂ فلح ہے جس سے کسان' کاشت کار' فلّاح زمین میں شگاف ڈالتا ہے۔ اب اس لفظ کو ذہن میں رکھئے اور غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ انسانی شخصیت کے اندر ایک معنوی حقیقت مضمر ہے' جو اس کی اصل شخصیت ہے' جو اس کی خودی ہے' جو اس کی انا ہے۔ کوئی شخص جب "میں" کہہ کر اپنی طرف اشارہ کرتا ہے تو کسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے! غور طلب بات ہے کہ یہ میرا ہاتھ ہے' یہ میرے پاؤں ہیں' یہ میری آنکھیں ہیں' یہ میرے کان ہیں' یہ میرا سر ہے' یہ میرا بدن ہے' تو میں کون ہوں جس کی یہ تمام چیزیں ہیں؟ ـــــ یہ میں' انا' یا خودی انسان کی اصل حقیقت اور اس کی اصل معنوی شخصیت ہے۔ لیکن یہ میں' یا انا' یا خودی چند مادی اور شہوانی غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے' جو انسان کے حیوانی وجود کے اندر ودیعت کئے گئے ہیں۔ وہ حیوانی وجود اسے پستیوں کی طرف کھینچتا ہے۔ سارے حیوانی داعیات (Animal Instincts) اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں جو اس کو بلندیوں کی طرف نہیں جانے دیتے بلکہ پستیوں کی طرف کھینچتے ہیں۔ اس سے رُستگاری حاصل کرنا اور اپنے مادی اور شہوانی غلافوں کو پھاڑ کر اس میں سے اپنی اصل معنوی شخصیت کو برآمد کرنا اور اس کو نشوونما دینا ـــــ یہ عمل فلح ہے۔ جیسے آم کی گٹھلی پھٹتی ہے تو اس میں سے آم کا پودا برآمد ہوتا ہے اور جیسے ایک بیج شق ہوتا ہے تو اس میں سے پتیاں نکلتی ہیں۔ عربی زبان میں فلح کے بہت ہی قریب کا لفظ "فلق" ہے۔ فلق (ف ل ق) کے معنی بھی پھاڑنا

کے ہیں' جو قرآن میں صبح کے لئے آتا ہے۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کو ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ﴾ قرار دیا گیا ہے کہ وہ رات کی تاریکی کا پردہ چاک کرتا اور دن کی روشنی برآمد کرتا ہے۔ اور فرمایا : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ﴾ "بالتحقیق اللہ دانوں' بیجوں اور گٹھلیوں کو پھاڑتا ہے اور ان میں سے پودے برآمد کرتا ہے"۔ تو فلاح انسانی کیا ہے؟ یہ کہ انسان کا اپنے مادی اور شہوانی میلانات و رجحانات' اپنے حیوانی تقاضوں اور جبلتوں کے خول کو پھاڑ کر اپنی معنوی شخصیت' اپنی خودی اور اپنی انا کو برآمد کرنا' اس کو پروان چڑھانا اور اس کی تعمیر کرنا ـــــ یہ ہے انسان کی فلاح از روئے قرآن حکیم۔

حکمت چونکہ انسان کی ایک مشترک متاع ہے اس لئے میں یہاں اپنشد کے ایک جملہ کا انگریزی ترجمہ پیش کر رہا ہوں :

"*Man in his ignorance identifies himself with the material sheats which encompass his real self.*"

"انسان اپنی نادانی اور جہالت میں اپنے آپ کو ان مادی غلافوں سے تعبیر کر بیٹھتا ہے جن کے اندر اس کی اصل حقیقت مضمر اور پنہاں ہے اور بایں وجوہ اس کی اصل حقیقت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے"۔ قرآن حکیم میں سورۃ الحشر میں فرمایا گیا : ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾ "اور ان لوگوں کے مانند نہ بن جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے خود انہیں اپنی حقیقت اور اپنی عظمت سے غافل کر دیا"۔

یہ ہے انسان کی انفرادی شخصیت اور سیرت و کردار کی تعمیر کا قرآنی پروگرام اور لائحہ عمل جس کا اصل مقصد فلاحِ انسانی ہے۔ یعنی انسانی شخصیتوں کے خام مال سے ایک تعمیر شدہ اور مستحکم سیرت و کردار وجود میں آئے' جس کا حوالہ علامہ اقبال کے اس شعر میں ہے ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اِک اَنبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

اور اس سے بھی زیادہ پیارے انداز میں اس بات کو علامہ اقبال نے فارسی میں بایں طور

ادا کیا ہے ؎

با نشّۂ درویشی در ساز و دمادم زَن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

آپ کو معلوم ہے کہ اگر ریت کا ایک گولہ بنا کر اسے آپ کسی شیشہ پر دے ماریں تو شیشہ نہیں ٹوٹے گا' اس کا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ وہ ریت خود ہی بکھر جائے گی۔ لیکن اسی ریت کو آپ پکالیں' پختہ کرلیں اور وہ اینٹ کی شکل اختیار کرلے تو اب اس کی ضرب کاری اور نتیجہ خیز ہوگی۔ اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے' جن کو علامہ اقبال اپنا مرشد معنوی کہا کرتے تھے' اسی بات کو بڑے سادہ لیکن پُراثر انداز میں یوں ادا کیا ہے ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل' جب خشت بنے تب کام چلے
اِن خام دِلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ' تعمیر نہ کر!

تعمیرِ سیرت میں صلوٰۃ کی اہمیت

اسلام اور قرآن حکیم انسان کے سامنے جو اعلیٰ نصب العین پیش کرتے ہیں' اس کے حصول کے لئے جو جدّوجُہد درکار ہے اس کے لئے پہلے پختہ انسانی شخصیتیں ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور ان پختہ شخصیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے جو پروگرام اور لائحہ عمل قرآن مجید تجویز کرتا ہے اس کا اوّل و آخر صلوٰۃ ہے ـــــ ہم نے قرآن حکیم کے اِن دو مقامات پر دیکھا کہ آغاز میں بھی نماز کا ذکر ہے اور اختتام پر بھی نماز ہی کا ذکر ہے۔ میں اس بات کو نبی اکرم ﷺ کی تین احادیث سے واضح کروں گا کہ اسلام کا نقطۂ آغاز نماز ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں : ((بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ وَالشِّرْکِ تَرْکُ الصَّلَاۃِ)) (صحیح مسلم) "کفر و شرک اور بندے کے درمیان نماز کا معاملہ حائل ہے"۔ یعنی اسلام اور کفر کے مابین امتیاز نماز ہی سے قائم ہوتا ہے ـــــ پھر دیکھئے کسی عمارت کی درمیانی اور اہم شے جس کا عمود ہوتی ہے جس پر چھت کھڑی ہے' جسے ہم ستون کے نام سے جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا : ((اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ)) "نماز دین کا ستون ہے" ـــــ پھر یہ کہ دین کی بلند ترین حقیقت کے بارے میں فرمایا :

((اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ)) "یہ صلوٰۃ مؤمنین کے لئے معراج کا درجہ رکھتی ہے" ـــــ تو گویا کہ ابتداء بھی' اہم اور درمیانی عمود بھی' اور چوٹی بھی' ان تمام مرحلوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ نماز دین کی اہم ترین شے ہے۔ میں اسے یوں تعبیر کروں گا کہ اگر ہم انسان کی سیرت سازی کو ایک شہر سے تشبیہ دیں تو اس کے گرداگرد جو فصیل کھینچی ہوئی ہے وہ نماز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس پہلو سے بھی اگر دیکھا جائے کہ نماز کو اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں قائم کرلے تو اس کی زندگی گویا کہ ایک حصار میں آجاتی ہے' ایک کھونٹے سے بندھ جاتی ہے۔ پھر اس کے سارے پروگرام اس نماز کے حوالہ سے طے ہوں گے' اس کی appointments اگر ہوں گی تو نماز کے اوقات کو مدنظر رکھ کر ہوں گی' اس کے شب و روز کے معمولات میں فیصلہ کن چیز نماز ہوگی ـــــ لہٰذا پوری انسانی زندگی کو شکنجہ میں کس لینے والی شے نماز ہے۔

"صلوٰۃ" کا مفہوم :

آیئے پہلے ہم یہ سمجھیں کہ "صلوٰۃ" جو قرآن مجید کا اصل لفظ ہے اور "نماز" جو فارسی کا لفظ ہے' ان دونوں کے مفاہیم میں بڑا بنیادی فرق ہے۔ اب یہ ہماری مجبوری ہے کہ چونکہ ہمارے یہاں اسلام جب پہنچا ہے تو فارسی زبان کے حوالے سے پہنچا ہے لہٰذا اکثر اصطلاحاتِ قرآنیہ کا ترجمہ جو اردو میں مستعمل ہے وہ فارسی الاصل ہے۔ فارسی زبان میں اِن الفاظ کا ایک اپنا مفہوم پہلے سے تھا۔ وہ مفہوم کہیں غیر شعوری طور پر ان اصطلاحات کے اصل مفہوم میں شامل نہیں ہو جانا چاہئے جو قرآن کریم اور ہمارے دین سے مراد ہے ـــــ عربی زبان میں "ص ل ی" کا مادہ (Root) جس سے یہ لفظ صلوٰۃ بنا ہے' اپنے اندر دو بنیادی مفہوم رکھتا ہے ـــــ "اِقدام الی الشیء" کسی کی طرف بڑھنا' کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا ـــــ گویا کہ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے اور متوجہ ہونے کا نام ہے۔ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا نام ہے ـــــ اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ چونکہ مکالمہ و مخاطبہ الٰہی سے مشرف کرنے والی چیز ہے لہٰذا یہ حقیقی ایمان کے لئے بمنزلہ "معراج" ہے : "اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔

یہی لفظ "صلوٰۃ" دعا کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی سے دعا کرتا ہے تو وہ اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوتا ہے ـــــ یہی لفظ عنایت و شفقت کے مفہوم میں بھی آتا ہے' جیسے سورۃ الاحزاب میں وارد ہوا ہے : ﴿اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ﴾ "بے شک اللہ صلوٰۃ بھیجتا ہے اپنے نبی (ﷺ) پر اور اس کے فرشتے بھی" ـــــ اسی سورت میں آیا ہے : ﴿ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ﴾ کہ اے اہل ایمان اپنے نصیب پر فخر کرو کہ "وہ (اللہ) تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی"۔ اس سے مراد کیا ہے؟ اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کا مفہوم ہو گا اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے عنایت' شفقت' رحمت' توجہ ـــــ فرشتوں کی طرف منسوب ہو کر اس کا مفہوم ہو جائے گا اُن کی طرف سے نبی اکرم ﷺ اور مؤمنین صادقین کے لئے اللہ کی شفقت' عنایت' رحمت اور توجہ کے لئے اُس کے حضور میں دعا ـــــ تو یہ سب باتیں اِس لفظ صلوٰۃ کے پہلے بنیادی مفہوم میں شامل ہیں۔

آپ میں سے اکثر حضرات کو معلوم ہو گا کہ صلوٰۃ کے آغاز کیلئے حدیث میں سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۷۹ کے یہ الفاظ مبارکہ بھی آتے ہیں ﴿اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝﴾ "میں نے اپنی توجہ کو مرتکز کر لیا ہے اُس ذات کی طرف' اُس ہستی کی جانب جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہر شے سے اپنی توجہ کو ہٹا کر' یکسو ہو کر اُس (تعالیٰ) کی جناب میں متوجہ ہو رہا ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں"۔ یہ صلوٰۃ کا نقطۂ آغاز ہے۔

صلوٰۃ کا یہ جو مفہوم ہے اس کے اعتبار سے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ صلوٰۃ یا نماز کا مقصد ذکرِ الٰہی بنتا ہے۔ صلوٰۃ میں آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' اللہ عزوجل آپ کو یاد آتا ہے۔ اسی لئے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا : ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ "نماز کو قائم کرو' صلوٰۃ کو قائم رکھو میری یاد کے لئے"۔

اسی لفظ کا دوسرا بنیادی مفہوم ہے "آگ سے حرارت حاصل کرنا' تاپنا" ـــــ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا تھا : ﴿اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْکُمْ بِشِھَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ "میں نے آگ دیکھی ہے' میں

اس کے پاس جاکر کوئی خبر لاؤں گا یا کوئی انگارا لاؤں گا تاکہ تم سردی سے بچنے کے لئے تاپ سکو" (النمل : ۷) اس مفہوم کو بھی مدنظر رکھئے۔ اس کے حوالہ سے حقیقتِ صلوٰۃ کا یہ پہلو سامنے آنا چاہئے کہ انسان کی روح میں اگر ضعف و اضمحلال پیدا ہو گیا ہو' اس پر افسردگی طاری ہو گئی ہو' تو اس میں حرارت تازہ پیدا کرنے کا ذریعہ صلوٰۃ ہے۔ جذباتِ ایمانی کے متعلق اگر محسوس ہو کہ ان پر کچھ ٹھنڈ طاری ہے یا اوس پڑ گئی ہے تو ان جذبات کے اندر از سرِ نو ایک حرارت ایمانی کا پیدا کرنا' صلوٰۃ کا مقصد ہے۔ ان دونوں بنیادی مفاہیم اور ان کے ذیلی مفاہیم کو ذہن میں رکھئے تو صلوٰۃ کا جو اصل مطلوب و مقصود ہے' اس کی جو اصل حکمت اور اصل غرض و غایت ہے' وہ سامنے آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے توجہ دلائی ہے کہ اگر یہ باطنی کیفیات موجود نہ ہوں تو پھر نماز محض ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے' اس میں رکوع و سجود تو ہوتا ہے لیکن توجّہ اللہ کی طرف ہوتی ہی نہیں۔ وہ ایک جسمانی مشقت تو ہو جاتی ہے لیکن اس کا جو اصل حاصل ہے اس تک انسان کی رسائی نہیں ہوتی۔ علامہ کہتے ہیں ؎

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب!

اور

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بُت کدۂ تصوّرات

توجّہ اور انابت الی اللہ کے بغیر فرض عبادات محض رسومات بن کر رہ جاتی ہیں۔ ان کی ادائیگی کی حیثیت رسم پرستی کی رہ جاتی ہے اور جو اصل حقائق و مقاصد ہیں وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ جیسے علامہ نے کہا ہے ؎

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

البتہ یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اس کیفیت میں بھی یہ نماز فائدے سے بالکل خالی نہیں ہے۔ ایک شخص نے اگر اپنا وقت صرف کیا ہے' وہ اپنے کاروبار اور مشغولیات سے

نکلا ہے' اس نے وضو کیا ہے' پھر وہ نیت باندھ کر اللہ کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے' تو اس نے جو جسمانی مشقت جھیلی ہے آخر اس کا اجر و ثواب تو اسے ملنا چاہئے۔ یہی وقت وہ کاروبار میں لگاتا' یا زندگی کی کسی اور مصروفیت و مشغولیت میں صَرف کرتا تو اس سے وہ کوئی منفعت حاصل کرتا۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کا کوئی اجر و ثواب نہ ہو ـــــ اجر و ثواب تو ملے گا۔ فرض کی ادائیگی فی نفسہٖ بہت بڑی بات ہے کہ اس نے اللہ کے ایک حکم پر عمل کیا ہے' امتثالِ امر بجالایا ہے لیکن نماز کے جو اصل مقاصد ہیں وہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ توجہ' انابت' خشوع و خضوع اور وہ حضوری قلب کی کیفیت نہ ہو جو مطلوب ہے ـــــ علامہ اقبال اس کے متعلق جذبات سے مغلوب ہو کر کہتے ہیں ؎

تیرا امام بے حضور' تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر' ایسے امام سے گزر

صلوٰۃ کا ظاہری نظام :

اس صلوٰۃ کا ایک ظاہری نظام ہے۔ اس کی معیّن ہیئات ہیں' حرکات و سکنات ہیں۔ اس میں تکبیر تحریمہ ہے' ہاتھوں کا اٹھانا ہے' اس میں قیام اور رکوع ہے' پھر قومہ ہے' پھر سجدہ ہے' پھر جلسہ ہے' پھر دوسرا سجدہ ہے۔ اس طرح ایک رکعت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کے مقررہ اوقات ہیں' از روئے الفاظ قرآنی : ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ پھر اس میں تعدادِ رکعات کی تعیین ہے۔ مزید برآں نماز باجماعت کا نظام ہے۔ یہ پورا صلوٰۃ کا نظامِ ظاہری ہے۔ اس کے بارے میں اولاً تو یہ اصل الاصول ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ سارے کا سارا منقول ہے' ماثور ہے' مسنون ہے محمد رسول اللہ ﷺ سے۔ اس کی اصل بنیاد میرا' آپ کا یا کسی اور کا اجتہاد نہیں ہے۔ شخصی اجتہاد پر معاملہ لے آئیں گے تو سب کی نماز علیحدہ علیحدہ ہو جائے گی' یکسانی اور یک رنگی نہیں رہے گی۔ لہٰذا حضور ﷺ نے فرمایا : ((صَلُّوا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ)) "صلوٰۃ ایسے ادا کرو' نماز ایسے پڑھو' جیسے مجھے دیکھتے ہو کہ میں پڑھتا ہوں"۔

اِس صلوٰۃ کے ظاہری نظام کے بارے میں یہ بات بھی جان لیجئے کہ اس میں ہمیں عجیب حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اس کے ذریعے سے اسلامی معاشرہ میں اجتماعی سطح پر تطہیر و تنظیم کا ایک نہایت اعلیٰ نظام قائم کیا گیا ہے۔ اجتماعی طور پر نماز ادا ہو رہی ہے' ہر روز ایک ہی وقت دن میں پانچ مرتبہ مسلمان مساجد میں جمع ہو رہے ہیں۔ اجتماعی ماحول اس کے لئے جزو لازم بن گیا ہے۔ پھر اس میں تنظیم کا معاملہ مستقل طور پر ہو رہا ہے۔ محلّہ وار تنظیم بھی ہے۔ جمعہ کے دن اس سے بھی بڑی تنظیم ہے۔ عیدین کے موقع پر بڑے بڑے شہروں میں تنظیم ہے۔ حج کے موقع پر پورے کرۂ ارضی سے وہ لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے ہیں جو توحید کے ماننے والے ہیں اور جو محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے کلمہ گو ہیں ـــــ اس طرح مسلمانان عالم کا عالمی اجتماع اور عالمی تنظیم کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس نظام صلوٰۃ میں اجتماعی تطہیر و تنظیم بھی پیش نظر ہے۔

نظامِ صلوٰۃ میں محافظت و مداومت کی اہمیت :

نظامِ صلوٰۃ کے متعلق یہ بات جان لیجئے کہ اس میں اہم ترین چیز محافظت اور مداومت ہے ـــــ اس نظام کو مستقل قائم و دائم رکھنا ہے۔ یہ نہیں کہ جب چاہا نماز ادا کر لی اور جب چاہا گول کر دی۔ یا جب جی چاہا نماز پڑھ لی' اوقات کی پابندی نہیں کی گئی' یا بلا کسی عذر اور مجبوری کے گھر میں ہی ادا کر لی' مسجد میں حاضر نہیں ہوئے؟ تو یہ طرز عمل اقامتِ صلوٰۃ کے تقاضوں کے منافی ہے' اس طرح اس کی اجتماعی مصلحتیں اور حکمتیں بالکل ضائع ہو جائیں گی۔ چنانچہ اس کے لئے "محافظت" اور "مداومت" لازمی ہے ـــــ میں نے یہ دونوں الفاظ اسی سبق سے لئے ہیں۔ سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج میں صلوٰۃ کے لئے جو آخری بات آئی ہے وہ محافظت ہے۔ سورۃ المومنون میں فرمایا : ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ ﴾ اور سورۃ المعارج میں فرمایا : ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ ﴾ یعنی وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں' اس کا پورا اہتمام کرتے ہیں' اس کے تمام قواعد و ضوابط اور اس کے تمام آداب کی پابندی ملحوظ رکھتے ہیں ـــــ نیز سورۃ المعارج میں فرمایا : ﴿ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ ﴾ "وہ لوگ

جو اپنی نمازوں میں مداومت یعنی ہمیشگی اور پابندی کرتے ہیں" ـــــ لہٰذا صلوٰۃ کے نظامِ ظاہری کے ساتھ اقامت' محافظت اور مداومت' ان تین الفاظ کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیجئے۔

صلوٰۃ کی روحِ باطنی :

آگے چلئے۔ صلوٰۃ کی ایک روح باطنی ہے ـــــ اس کے لئے لفظ "خشوع" آیا ہے : ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○﴾ "فلاح سے ہمکنار ہوئے وہ اہل ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں"۔ یہاں خشوع سے اصلاً مراد ہے انسان کی معنوی شخصیت کا اپنے رب کے حضور میں جھک جانا۔ ظاہری طور پر تو جسم جھک ہی رہا ہے۔ آپ کھڑے ہوتے ہیں تو اس انداز سے جس میں جھکاؤ ہوتا ہے' سینہ تان کر کھڑے نہیں ہوتے۔ پھر رکوع کرتے ہیں تو مزید جھکاؤ ہو گیا ہے۔ پھر جب سجدے میں گئے تو جھکاؤ کی انتہا ہو گئی۔ لیکن اگر صرف ظاہری طور پر جسم جھک رہا ہو' لیکن وہ معنوی شخصیت' وہ اندر کا انسان' اگر اس کی گردن اکڑی ہوئی ہو' وہ اللہ کے سامنے معنوی طور پر سرنگوں اور Surrender نہ ہو رہا ہو' انسان کا نفس امارہ سرکشی اور تمرد پر تلا ہوا ہو' وہ اللہ کے سامنے نہ جھک رہا ہو تو ظاہری نماز تو ادا ہو گئی' لیکن جو حقیقی نماز ہے وہ ادا نہیں ہو گی۔ اسی لئے اِس سبق میں خشوع کی طرف بھی توجہ دلادی گئی۔

خشوع و خضوع اور حضورِ قلب وہ باطنی کیفیات ہیں جو مطلوب ہیں' اور اقامت' محافظت اور مداومت یہ وہ چیزیں ہیں جو نظامِ صلوٰۃ کے ظاہر کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس ظاہر کے ساتھ اسلامی معاشرے کی اجتماعی مصلحتیں وابستہ ہیں اور اس باطنی کیفیات کے ساتھ ایک بندۂ مؤمن کی اپنی ذاتی سیرت و کردار کی تعمیر اور اس کے ترفع کا مسئلہ متعلق و وابستہ ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے نماز سے وہ اصل اور حقیقی برکات ظاہر ہوتی ہیں جن کا ذکر سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۵ کے درمیان میں فرمایا گیا ہے : ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ' وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ "بے شک نماز روکتی ہے' بے حیائی اور بُری بات سے' اور اللہ کی یاد ہی سب سے بڑی' اعلیٰ اور ارفع بات ہے" ـــــ لیکن اگر

اس کے برعکس معاملہ ہو گا تو صلوٰۃ کی ادائیگی کے باوجود معاشرہ اِن برکات سے محروم رہے گا۔

صلوٰۃ کی پابندی : ایمان کا تقاضا

ایک بات اور جان لیجئے کہ نمازوں میں ایک تو فرض نمازیں ہیں اور بقیہ نوافل و سنن ہیں ـــــ فرض نمازیں تو لازم ہیں' ان کو ہر صورت میں ادا کرنا ہے۔ البتہ ان کی ادائیگی کیلئے خود شریعت ہی نے چند رعایتیں دے رکھی ہیں۔ مثلاً کوئی عذر ہے تو آپ مسجد میں نہ جائیں' نماز گھر میں ادا کرلیں۔ فرض کیجئے آپ بیمار ہیں تو گھر میں پڑھ لیں' اس سے بھی زیادہ معذور ہیں تو لیٹ کر پڑھ لیں' جس میں قیام' رکوع' قومہ' سجدہ' جلسہ' قاعدہ کے لئے اشارات کفایت کریں گے۔ ایسی رعایتیں خود شریعت نے فراہم کر دی ہیں۔ لیکن جہاں تک فرض نماز کا قصداً ضائع کر دینا ہے تو اس کے بارے میں جان لیجئے کہ یہ گویا حقیقی و قلبی ایمان کا ضائع کر دینا ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ ہم نے سورۃ المعارج میں دیکھا کہ وہاں اُس مقام پر لفظ "اَلْمُصَلِّیْنَ" لایا گیا ہے جس مقام پر سورۃ المومنون میں "اَلْمُؤْمِنُوْنَ" کا لفظ آیا ہے : ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ اور سورۃ المعارج میں فرمایا : ﴿اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ○﴾

بہرحال اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ تعمیرِ سیرتِ انسانی کے قرآنی پروگرام کا مرکز و محور' اس کا نقطۂ آغاز اور اس کی آخری منزل' یہ سب صلوٰۃ پر مبنی ہیں۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

عظمت قرآن

بزبان قرآن و صاحبِ قرآن

صفحات ۲۸' قیمت (عام ایڈیشن) ۴/- روپے' (اعلیٰ ایڈیشن) ۷/- روپے

امام ابو عبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ

عبدالرشید عراقی

ائمہ حدیث میں امام ابو عبداللہ حاکم ممتاز حیثیت کے حامل ہیں اور اپنے گوناگوں اوصاف و کمالات کی وجہ سے مسلمانوں کے مقتدا و اِمام اور اُن کی عقیدت و توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ ائمہ فن' ارباب سیر اور تذکرہ نگاروں نے اُن کے علمی تبحر' جلالت قدر اور اُن کی عظمت و شان کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ابن سبکی لکھتے ہیں کہ :

''امام ابو عبداللہ حاکم کے علمی تبحر اور جلالت قدر پر تمام ائمہ فن کا اتفاق ہے۔ وہ ان ائمہ اعلام میں تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین مبین کی حفاظت کا کام لیا ہے۔ لوگ دُور دَراز سے ان کی مجلس درس میں شریک ہوتے اور آکر اپنی علمی تشنگی بجھاتے تھے۔ اکابر محدثین اور نامور ائمہ فن ان سے استفادہ کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے اور ان کے علمی تبحر' جلالت قدر' عدالت و ثقاہت' امانت و دیانت' حفظ و ضبط' زہد و ورع' تقویٰ و طہارت اور معرفت حدیث میں ان کی انفرادیت کی بنا پر ان کا عزت و احترام کرتے تھے''۔ {۱}

علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ :

''امام ابو عبداللہ حاکم اپنے سے پہلے علماء پر فوقیت رکھتے تھے اور اپنے علمی تبحر اور کمالات کی وجہ سے اس بلند مقام پر فائز تھے جہاں دوسروں کے لئے پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنے زمانہ میں منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ ان کے انتقال سے جو خلاء پیدا ہوا وہ پُر نہیں ہو سکتا''۔ {۲}

علم و فضل

امام ابو عبداللہ حاکم کو تمام علوم اسلامیہ میں غیر معمولی درک حاصل تھا۔ تفسیر اور قرآنی علوم' حدیث' فقہ' اصول فقہ' تاریخ' ادب و لغت' اسماء الرجال وغیرہ میں کمال

حاصل تھا لیکن حدیث اور معرفت حدیث میں ان کو خاص امتیاز کی بنا پر الحافظ الکبیر اور امام المحدثین کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ائمہ فن نے ان کے حدیث اور معرفت میں صاحب کمال ہونے کا اعتراف ہے اور ان کے حفظ و ضبط' اور ثقاہت و عدالت پر تمام ائمہ فن کا اتفاق ہے۔ اہل سیر نے "الحافظ الکبیر من اهل الحفظ" اور "من اکابر حُفَّاظ الحدیث" کہہ کر ان کے حافظ کی توثیق کی ہے۔

امام یافعی لکھتے ہیں کہ :

"حدیث اور اسکے متعلق علوم کی معرفت میں انکو بڑی مہارت حاصل تھی"{۳}

حافظ ذہبی فرماتے ہیں :

"نہ صرف خراسان بلکہ ساری دنیا میں اقلیم حدیث کی تاجداری ان پر ختم ہوگئی"۔{۴}

علامہ ابن صلاح اور امام نووی نے جن سات محدثین کرام کو صاحب کمال قرار دیا ہے' ان میں امام ابو عبداللہ حاکم بھی شامل ہیں۔{۵}

کلام و عقائد میں اشاعرہ کے ہمنوا تھے۔ حافظ ابن سبکی اور حافظ ابن عساکر نے ان کے اشعری المذہب ہونے کی تصریح کی ہے۔{۶}

امام ابو عبداللہ حاکم زہد و اتقاء' تقویٰ و طہارت اور امانت و دیانت میں بھی ممتاز تھے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ :

"امام ابو عبداللہ حاکم متدین' امین' صاحب حزم و ورع اور اللہ کی جانب مائل و متوجہ رہتے تھے"۔{۷}

سیاسی و اجتماعی امور سے بھی امام حاکم کو دلچسپی تھی۔ کچھ عرصہ قاضی کے عہدہ پر بھی متمکن رہے اور مدرسہ کے دارالسنہ کے نگران و مہتمم بھی رہے۔{۸}

ولادت

امام ابو عبداللہ حاکم ۳/ ربیع الاول ۳۲۱ھ کو خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام محمد بن عبداللہ بن محمد تھا۔{۹}

خاندان

امام حاکم کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ ان کے والد عبداللہ اور ان کے ماموں علم و فن کے دلدادہ تھے۔ امام حاکم کے والد کو یہ شرف حاصل تھا کہ انہوں نے الجامع الصحیح المسلم کے مصنف اور صحاح ستہ کے رکن عظیم امام مسلم بن حجاج قشیری کی زیارت کی تھی۔ {۱۰}

تحصیل علم

امام حاکم ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اس لئے آپ نے تعلیم کا آغاز اپنے والد بزرگوار اور ماموں سے کیا۔ اس کے بعد مختلف اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ حافظ ذہبی، علامہ ابن سبکی، امام ابوبکر خطیب بغدادی اور حافظ ابن عساکر نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست درج کی ہے۔ امام ابوالحسن دار قطنی کا نام ان کی اساتذہ کی فہرست میں شامل ہے۔ اور تلامذہ میں امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی کا نام شامل ہے۔ {۱۱}

امام حاکم نے سب سے پہلے اساطین نیشاپور سے استفادہ کیا۔ ۲۰ سال کی عمر میں دوسرے علمی شہروں اور مراکز حدیث کا رخ کیا اور آپ عراق، بغداد، کوفہ، کلہ، مرو، بخارا، ماوراء النہر، ہمدان اور اصبہان تشریف لے گئے اور ہر جگہ کے ائمہ فن اور محدثین کرام سے اکتساب فیض کیا۔ امام حاکم کے زیادہ اسفار کی وجہ سے مورخین نے ان کو "طاف الافاق و رحل کثیر" لکھا ہے۔ {۱۲}

وفات

امام ابوعبداللہ حاکم نے ۳ صفر ۴۰۵ھ بعمر ۸۴ سال نیشاپور میں انتقال کیا۔ {۱۳}

تصنیفات

امام ابوعبداللہ حاکم ایک بلند مرتبہ مصنف تھے۔ علمائے فن نے بحیثیت مصنف امام حاکم کی تعریف و توصیف کی ہے۔ امام حاکم کی تصنیفات بلند مرتبہ حیثیت کی حامل تھیں اور

ان کی تصنیفات کمیت و کیفیت دونوں حیثیتوں سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ خود فرماتے ہیں کہ : میں نے زمزم کا پانی پی کر اللہ تعالیٰ سے حسن تصنیف کی دعا کی تھی۔" چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور اہل سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ امام حاکم کی تصنیفات بہت علمی' مفید' جامع اور بلند مرتبہ تھیں۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ :

"حاکم نے علوم حدیث میں بے نظیر تصنیفات یادگار چھوڑی تھیں"۔ {۱۴}

علامہ سمعانی فرماتے ہیں کہ :

"انہوں نے علوم حدیث اور دیگر فنون میں بڑی عمدہ کتابیں لکھیں۔" {۱۵}

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ :

"حاکم را در فن تصنیف و ترتیب دخل تمام بود"۔ {۱۶}

امام ابو عبداللہ حاکم صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ امام حاکم کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان کی اکثر کتابیں معدوم و ناپید ہیں۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ان کی ۲۴ کتابوں کے نام بتائے ہیں۔ {۱۷} مگر یہاں ان کی صرف ۶ کتابوں کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

تفسیر القرآن : حافظ سیوطی نے اس کو تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی اہم تفاسیر قرآن میں شمار کیا ہے۔ اس میں صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے آثار سنداً بیان کئے گئے ہیں۔ {۱۸}

اکلیل فی الحدیث : یہ کتاب اصول حدیث سے متعلق ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہ بڑی مفید اور اہم کتاب ہے۔ {۱۹}

المدخل فی الحدیث : یہ کتاب اکلیل فی الحدیث کا مقدمہ ہے۔

تاریخ نیشاپور : یہ بڑی ضخیم کتاب ہے۔ اس میں خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد کی طرح علماء و مشاہیر فن کے تراجم درج ہیں۔ حافظ ابن سبکی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"حاکم کے اس عظیم الشان کارنامہ کے سامنے نامور محدثین و فقہا کو سرنگوں ہو جانا پڑا۔ جو اس کا بغور مطالعہ کرے گا اس کو ان کے گوناگوں کمالات اور مختلف

علوم میں جامعیت کا پورا پورا اندازہ ہو جائے گا"۔ {۲۰}

معرفۃ علوم الحدیث : یہ علوم حدیث سے متعلق بڑی اہم اور مفید کتاب ہے۔ علمائے فن نے اس کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے۔ علامہ ابن خلدون اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

"علوم حدیث میں لوگوں نے متعدد کتابیں لکھی ہیں لیکن اس فن کے یگانہ روزگار ائمہ و علمائے فحول میں ابو عبداللہ حاکم ہیں۔ ان کی کتابیں مشہور ہیں۔ انہوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب و مہذب کیا اور اس کے محاسن اچھی طرح منقح اور نمایاں کئے"۔ {۲۱}

معرفۃ علوم الحدیث ۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر سید معظم حسین سابق صدر شعبہ سیاسیات و عربی ڈھاکہ یونیورسٹی کے حواشی و تعلیقات سے دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن کے زیر اہتمام مصر سے شائع ہوئی۔

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے اس پر مستخرج لکھا اور علامہ طاہر الجزائری نے اپنی کتاب توجیہ النظر میں اس کا ملخص شامل کیا ہے۔ {۲۲}

المستدرک علی الصحیحین : محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی وہ کتابیں مستدرک کہلاتی ہیں جن میں ان حدیثوں کو نقل کیا جاتا ہے جو حدیث کی کسی اور کتاب کی شرط کے مطابق ہونے کے باوجود اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہوں۔ {۲۳} اس طرح حدیث کی جو کتابیں مرتب کی گئی ہیں ان میں ابو عبداللہ حاکم کی المستدرک علی الصحیحین زیادہ مشہور ہے۔ مستدرک حاکم صحیح بخاری و صحیح مسلم پر مستدرک ہے۔ یعنی اس میں ان حدیثوں کو شامل کیا گیا ہے جو امام حاکم کے خیال میں صحیحین کے معیار و شرائط کے مطابق ہونے کے باوجود ان میں شامل نہیں کی گئیں۔

مستدرک حاکم کا شمار حدیث کی مشہور اور اہم کتابوں میں ہوتا ہے اور اس کتاب کو بعض حیثیتوں سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے طبقات کتب حدیث کے تیسرے طبقہ میں اس کو شامل کیا ہے۔ {۲۴} اس طبقہ میں مسند دارمی' سنن دار قطنی' مسند ابو داؤد طیالسی اور مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ جیسی بلند پایہ کتابیں شامل

ہیں۔ بعض محدثین کرام نے اس کا پایہ صحیح ابن حبان کے قریب قریب بتایا ہے۔ {۲۵} حافظ ابن صلاح اور امام نووی نے صحاح ستہ کے بعد حدیث کی جن کتابوں کو زیادہ اہم اور قابل اعتماد قرار دیا ہے ان میں مستدرک حاکم بھی شامل ہے۔ {۲۶}

مستدرک حاکم دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن نے چار جلدوں میں شائع کی۔ پہلی جلد ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوئی۔ اور باقی جلدیں بالترتیب ۱۳۳۴ھ' ۱۳۴۱ھ اور ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئیں۔ {۲۷}

حواشی

{۱} ابن سبکی : طبقات الشافعیہ' ج ۳' ص ۶۵

{۲} ابن خلکان : تاریخ ابن خلکان' ج ۲' ص ۲۸۵

{۳} یافعی : مراءۃ الجنان' ج ۳' ص ۱۴

{۴} ذہبی : تذکرۃ الحافظ' ج ۳' ص ۲۴۳

{۵} ابن صلاح : مقدمہ ابن صلاح' ص ۱۹۳

{۶} ابن سبکی : طبقات الشافعیہ' ج ۲' ص ۶۴۔
ابن عساکر : تبیین کذب المفتری' ص ۲۶۹

{۷} ابن کثیر : البدایہ والنہایہ' ج ۱۱' ص ۳۵۵

{۸} ابن خلکان : تاریخ ابن خلکان' ج ۲' ص ۲۸۵

{۹} ابن عساکر : تبیین کذب المفتری'' ص ۲۲۰۔ ابن سبکی : طبقات الشافعیہ' ج ۳' ص ۶۴

{۱۰} ذہبی : تذکرۃ الحفاظ' ج ۳' ص ۲۴۶

{۱۱} ابن سبکی : طبقات الشافعیہ' ج ۲' ص ۶۵۔ ذہبی : تذکرۃ الحفاظ' ج ۳' ص ۲۴۶۔
خطیب بغدادی : تاریخ بغداد' ج ۵' ص ۴۰۳۔
ابن عساکر : تبیین کذب المفتری' ص ۲۲۹۔

{۱۲} خطیب بغدادی : تاریخ بغداد' ج ۵' ص ۴۷۳

{۱۳} ذہبی : تذکرۃ الحفاظ' ج ۳' ص ۲۴۶

{۱۴} ابن خلکان : تاریخ ابن خلکان' ج ۲' ص ۲۸۵

{۱۵} سمعانی : کتاب الانساب ورق

{۱۶} شاہ عبدالعزیز دہلوی : بستان المحدثین' ص ۴۱

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد
کے
تعلیمی نظریات کا موازنہ (۲)

ظفر اقبال محسن کا تحقیقی مقالہ

باب سوم

ڈاکٹر اسرار احمد

مختصر سوانح

ڈاکٹر اسرار احمد وطن عزیز کے نامور عالم دین، مفکر و راہنما اور معلم و مدرس تعلیمات قرآنی ہیں۔ دینی، سیاسی، اخلاقی، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل پر آپ کی گہری نظر ہے اور مختلف قومی معاملات میں آپ کی رائے کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی ولادت ۲۶/ اپریل ۱۹۳۲ء کو حصار (ہریانہ) بھارت میں ہوئی۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم اپنے آبائی شہر ہی میں حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے گورنمنٹ ہائی سکول حصار سے میٹرک کا امتحان ۸۵۰ میں سے ۱۸۷ نمبر لے کر پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی میں سے چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ اُس زمانے میں ہندوستان کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی اپنے پورے نقطہ عروج پر پہنچ چکی تھی اور مسلم لیگ مسلمانان ہند کی آنکھوں کا تارا تھی۔ آپ بھی مسلم لیگ کے طلبہ یونٹ "مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" میں شامل ہو گئے اور تحریک پاکستان میں عملی کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب آل پاکستان مسلم لیگ سٹوڈنٹس فیڈریشن کا مرکزی اجلاس قائداعظم کی قیادت میں،

لاہور میں منعقد ہوا تو آپ اس اجلاس میں ضلع حصار کے طالب علم نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

قیام پاکستان کے وقت آپ کا خاندان حصار سے ہجرت کر کے لاہور منتقل ہو گیا اور آپ کے والد محترم ڈی۔ سی۔ آفس لاہور میں اکاؤنٹینٹ کی پوسٹ پر تعینات ہو گئے۔ یہاں آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۴۹ء میں ایف۔ ایس سی میں نمایاں پوزیشن حاصل کر کے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۵۴ء میں آپ نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۵ء میں آپ نے کراچی یونیورسٹی سے ایم۔ اے اسلامیات کا امتحان پاس کیا۔ اور پوری یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کر کے گولڈ میڈل کے مستحق ٹھہرے۔ {۶۰}

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنا تعلیم پروگرام ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

"وقت کی اہم ضرورت یہ ہے کہ ایک زبردست علمی تحریک اٹھے جو سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقات اور معاشرے کے ذہین ترین عناصر کے فکر و نظر میں انقلاب برپا کر دے اور انہیں مادیت و الحاد کے اندھیروں سے نکال کر ایمان و یقین کی روشنی میں لے آئے اور خدا پرستی و خود شناسی کی دولت سے مالا مال کر دے۔ پیش نظر علمی تحریک کے لئے سب سے پہلے ایسے ذہین اور باصلاحیت نوجوانوں کو تلاش کرنا ہو گا جن میں علم کی ایک شدید پیاس فطری طور پر موجود ہو' جن کے قلوب مضطرب اور روحیں بے چین ہوں' جن میں حقیقت کی تلاش و دریافت کا داعیہ اتنا شدید ہو جائے کہ وہ اس کے لئے زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہوں اور آرام و آسائش کے حصول اور خوشنما مستقبل (Careers) کی تعمیر سے یکسر بے نیاز ہو جائیں۔

ایسے نوجوانوں کو اولاً انسان کی آج تک کی سوچ بچار کا مکمل جائزہ لینا ہو گا' اور اس کیلئے ضروری ہو گا کہ وہ انسانی فکر کی پوری تاریخ کا گہرا مطالعہ کریں۔ اس اعتبار سے منطق' ماوراء الطبیعیات' نفسیات' اخلاقیات اور روحانیت انکے مطالعہ اور غور و فکر کا اصل میدان ہوں گے۔ فکر انسانی کے اس گہرے اور تحقیقی مطالعے کے ساتھ ساتھ ان کیلئے ضروری ہو گا کہ وہ وحی آسمانی اور اس کے

آخری جامع اور مکمل ایڈیشن یعنی قرآن حکیم کا گہرا مطالعہ حقیقت کی تلاش اور حقیقت نفس الامری کی دریافت کے نقطہ نگاہ سے کریں۔"{۶۱}

چنانچہ اپنے مذکورہ بالا پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد نے مندرجہ ذیل عملی اقدامات کئے۔

۱۔ مرکزی انجمن خدام القرآن قائم کی (۱۹۷۲ء)۔
۲۔ قرآن اکیڈمی اور اس کی لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا (۱۹۷۶ء)۔
۳۔ دو سالہ تعلیمی سکیم کا آغاز کیا (۱۹۸۳ء)۔
۴۔ قرآن کالج کی بنیاد رکھی (۱۹۸۶ء)۔
۵۔ خط و کتابت کورس کا آغاز کیا (۱۹۸۸ء)۔
۶۔ دینی تعلیم کا ایک سالہ تدریسی نصاب شروع کیا (۱۹۸۸ء)۔
۷۔ قرآن اکیڈمی میں شعبہ حفظ قرآن قائم کیا۔
۸۔ صبح و شام کے اوقات میں عربی زبان کی کلاسز کا آغاز کیا۔

علاوہ ازیں آپ نے عمومی دعوت و تبلیغ' تجدید ایمان و اصلاح اعمال اور عوام کی ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی تربیت کے بندوبست کے لئے ۱۹۷۵ء میں "تنظیم اسلامی" قائم کی جو اولاً پاکستان میں اور ثانیاً پوری دنیا میں نظام خلافت کے قیام کی داعی ہے۔{۶۲}

ڈاکٹر اسرار احمد کے تعلیمی نظریات

تصورِ حقیقت

ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے میں حقیقت اصلی صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ وہ مسبب الاسباب' وجود مطلق اور علت العلل ہے۔ ذات خدا کو ڈاکٹر صاحب "انائے کبیر" سے تعبیر کرتے ہیں جسے علامہ اقبال نے انائے لامتناہی سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی حقیقی وجود صرف وجود باری تعالیٰ ہے' باقی سب کچھ اعتباری اور خیالی ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ ہے کہ خدا کی ذات کے بارے میں صحیح تصور قائم کرنے کے لئے ہمیں قرآن پاک اور

حدیث رسول ﷺ کا عمیق مطالعہ کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے اُن تمام اسماء و صفات کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ہم اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے متعلق جو تصور قائم کریں گے وہ تصور باطل اور شرک ہو گا اور ہمارے اپنے ذہن کی پیداوار ہو گا۔ چونکہ ہماری عقل محدود ہے لہٰذا ہمارا خود ساختہ تصور بھی محدود ہو گا جبکہ خدا کی ذات لامحدود ہے۔ وجود باری تعالیٰ کے بارے میں ایک محدود تصور قائم کرنا سراسر گمراہی اور کفر ہے' جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے : "العِجزُ عَن دَرکِ الذّاتِ اِدرَاک" یعنی "اللہ تعالیٰ کی ذات کے ادراک سے عجز کا اظہار کرنا ہی اصل میں اُس کی ذات کا صحیح ادراک ہے"۔

قرآن حکیم اور حدیث رسول ﷺ کے غائر مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بدیع' مختارِ مطلق اور خالق کائنات ہے۔ یہ تینوں صفات یعنی بدیع' مدبر و مختار اور خالق ہمارے تصور خدا کی بنیاد ہیں۔ اگر ہم ان تین صفات میں سے کسی ایک کا دامن چھوڑ دیں' یا ان میں سے کسی ایک کا دامن بھی ہم سے چھوٹ جائے تو ہم گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ پورا نظام کائنات اسی کے حکم سے معرض وجود میں آیا ہے اور اسی کے حکم سے چل رہا ہے۔ اور جب تک اس کی مشیت ہو گی یہ نظام چلتا رہے گا۔ لا الہ الا اللہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے کا یقین ہمارے دلوں کی گہرائیوں میں اتر جائے۔

تصورِ کائنات

قرآن و حدیث کے مطالعہ کے نتیجے میں ڈاکٹر اسرار احمد کا تصور کائنات یہ ہے :

۱۔ کائنات درحقیقت ماسوا اللہ کو کہتے ہیں۔ فلسفہ میں اس کے لئے کون و مکاں یا زمان و مکاں (Time and Space) کی اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں۔ لیکن قرآن پاک صرف "السموات والارض" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الاَرْضِ... ﴾ (البقرہ : ۲۸۴)

"جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ (سب) اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔"

ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہے :

﴿وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾

(آل عمران : ۱۸۰)

"اور آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ ہی ہے' اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔ اللہ اس سے باخبر ہے۔"

۲۔ قرآن پاک کی رُو سے یہ کائنات حادث ہے' قدیم نہیں۔ یعنی ایک وقت تھا کہ یہ موجود نہ تھی' ایک معین وقت تک موجود رہے گی' پھر ایک وقت آئے گا کہ یہ ساری کائنات فنا ہو جائے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ تخلیق کا ایک نیا سلسلہ شروع فرمائے گا۔ بفحوائے الفاظ قرآنی

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ (الرحمٰن : ۲۶)

"جتنی مخلوقات (روئے زمین پر) ہیں سب فنا ہو جانے والی ہیں۔"

۳۔ یہ کائنات مکمل نہیں بلکہ دن بدن اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں :

﴿يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ﴾ (فاطر : ۱)

"وہ (اللہ) اضافہ کرتا رہتا ہے اپنی مخلوق میں جیسا چاہتا ہے۔"

۴۔ معاد' ارواح اور ملائکہ' عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں اور انسان کے سوا باقی ساری مخلوق' عالم خلق سے تعلق رکھتی ہے۔ انسان وہ واحد مخلوق ہے جس کا تعلق دونوں پہلوؤں سے ہے' یعنی عالم خلق سے بھی اور عالم امر سے بھی۔ انسان کا روحانی وجود عالم امر سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا حیوانی وجود عالم خلق سے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : "خَلَقْتُهٗ بِيَدَيَّ" یعنی میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا' یعنی تمام عنایات اور پوری توجہ کے ساتھ میں نے اس انسان کی تخلیق کی ہے۔ ان الفاظ میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ یہاں دونوں ہاتھوں سے مراد تخلیق کے وہی دو پہلو ہیں' یعنی عالم خلق اور عالم امر۔

۶۔ اس لحاظ سے انسان اللہ تعالیٰ کی ایک جامع ترین مخلوق ہے اور یہی راز تھا اس کو خلافت ارضی عطا کرنے کا۔

تصورِ علم

تصور علم کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے یہ ہے :

"علم کیا ہے؟ اس کا معین جواب نہیں دیا جا سکتا۔ یہ انہی چیزوں میں سے ایک ہے جن کی اصل حقیقت ہمیں آج تک معلوم نہیں۔ مثلاً زندگی کیا ہے؟ ساری فزیالوجی اور اناٹومی پڑھنے کے باوجود یہ معلوم نہیں ہے کہ زندگی کا تعلق انسان کے جسم سے کیسے ہے؟ اسی طریقے سے نیند کیسے آتی ہے؟ کچھ پتہ نہیں ہے۔ یہ سب کا تجربہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی سوئچ (Switch) ہے کہ جو Off ہو جائے تو انسان سو جاتا ہے' On ہو جائے تو انسان جاگ جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو جو بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کی درجہ بندی (Classification) تو کی جا سکتی ہے' لیکن خود علم کی ماہیت کیا ہے؟ یہ جاننا بہت مشکل ہے۔

"بایں ہمہ انسانی شخصیت کے دو پہلو ہیں۔ ایک ہے نظریاتی پہلو اور دوسرا ہے عملی پہلو۔ ایک نارمل شخصیت میں نظریات اور عمل میں اتفاق ہونا چاہئے۔ وہ شخصیت کمزور اور ضعیف کہلائے گی جس کے نظریات اور عمل میں فرق ہو۔ اور نظریہ بنتا ہی علم سے ہے۔ لہٰذا علم اور عمل کا بہت گہرا تعلق ہے۔ اگر علم صحیح ہو گا تو عمل اور کردار بھی صحیح ہو گا اور اگر علم اور نظریات غلط ہوں گے تو ظاہر بات ہے کہ عمل اور کردار صحیح نہیں ہوں گے۔"{۶۳}

اقسام علم

ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے میں علم دو قسم کا ہے۔

(i) علم الابدان۔ (ii) علم الادیان۔

علم الادیان کا تعلق انسان کے روحانی وجود سے ہے جو عالم امر سے تعلق رکھتا ہے' اور علم الابدان کا تعلق انسان کے حیوانی وجود سے ہے جو عالم خلق سے تعلق رکھتا ہے۔ پہلا علم روحانی اور الہامی ہے جسے ہدایت کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتداء سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ یہ سلسلہ علم بذریعہ وحی جاری رہا حتیٰ کہ حضرت

محمد ﷺ پر آکر اس کی تکمیل ہوئی۔

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾ (المائدہ : ۳)

"آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین پسند فرمالیا ہے۔"

اب رہا دوسرا علم یعنی علم الابدان تو یہ ایک مادی علم ہے۔ یہ علم بھی بالقوہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے فوراً بعد ان کی سرشت میں رکھ دیا گیا۔ اب بتدریج اس کا ظہور ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ﴾ (البقرہ : ۳۱)

"اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے۔"

اس آیت مبارکہ میں علم الاسماء سے مراد علم الابدان ہے۔ جیسے آم کی گٹھلی میں اللہ نے پورے کا پورا آم کا درخت چھپا رکھا ہے' لیکن اس گٹھلی سے درخت کے پیدا ہونے اور اس کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے لئے کافی عرصہ درکار ہوتا ہے' اسی طرح اس علم الاسماء کا ظہور بھی بتدریج ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ چنانچہ اِس دور کے تمام علوم اس کا نتیجہ ہیں۔ {۶۴}

ذرائع علم

چونکہ علم الابدان یعنی مادی علم کا تعلق انسانی وجود سے ہے لہٰذا اسے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی انسانی وجود ہی ہے۔ انسان یہ علوم اپنے حواس خمسہ کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حواس خمسہ کا مرکز انسانی ذہن یا دماغ ہے' جو حواس خمسہ کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات اور علم سے نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حاصل شدہ معلومات (Data) کو پروسس (Process) کرنے والا یہ دماغ' اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو بھی دے رکھا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انسان کے دماغ کا کمپیوٹر بہت طاقتور ہے اور حیوانات کے دماغ کا کمپیوٹر بہت چھوٹا اور ادنیٰ ہے۔ چھوٹے چھوٹے حشرات الارض بھی حواس خمسہ سے علم حاصل کرتے ہیں' ان حاصل شدہ معلومات کو دماغ تک بھیجتے ہیں اور

دماغ ان معلومات کی بنیاد پر نتیجہ اخذ کرتا ہے یا کسی فیصلے پر پہنچتا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے یہ ہے کہ انسان کے دماغ اور حیوانات کے دماغ میں فرق کمیت کا ہے' خاصیت کا نہیں۔ اسکے برعکس دوسرا علم یعنی علم الادیان ایک روحانی علم ہے اور روح حکم خداوندی کا دوسرا نام ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ' قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی... ﴾

(بنی اسرائیل : ۸۵)

"(اے نبی ﷺ)! سوال کرتے ہیں تجھ سے روح کے بارے میں' کہہ دے کہ روح امر ربی میں سے ہے۔"

لہٰذا یہ علم' عالم امر سے تعلق رکھتا ہے اور اس علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے۔ بعض دفعہ یہ وحی فرشتہ لے کر آتا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں بات ڈال دیتا ہے۔ انسان کا دل سنتا بھی ہے' دیکھتا بھی ہے اور سوچتا بھی ہے۔ جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے :

﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِی فِی الصُّدُوْرِ ﴾

(الحج : ۴۶)

"پس یہ نہیں کہ اندھی ہو جاتی ہیں آنکھیں' بلکہ اندھے ہو جاتے ہیں وہ دل جو ان کے سینوں میں ہیں۔"

اقسام وحی

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی رو سے وحی کی تین اقسام ہیں۔

(۱) جبلی علم (۲) الہام' کشف' رویا (۳) وحی نبوت

جبلی علم : یہ علم ہر ذی روح کی سرشت میں رکھا گیا ہے۔ مثلاً ہر ذی روح کو معلوم ہے کہ اس کے کھانے کی چیز کیا ہے؟ گوشت ہے یا گھاس۔ ہر جاندار کو اپنا گھر یا گھونسلہ بنانے کا طریقہ فطری اور جبلی طور پر معلوم ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو فطرت کی طرف سے اسے دودھ پینے کا طریقہ سکھا دیا جاتا ہے۔

الہام 'کشف یا رؤیا : بعض اوقات اللہ تعالیٰ کوئی بات اچانک کسی کے دل میں ڈال دیتا ہے یا کسی مسئلہ کا حل فوراً کسی کے دل پر منکشف ہو جاتا ہے' یا خواب کے ذریعے آنے والے حالات کے بارے میں بتا دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے علم کو الہام 'کشف یا رؤیا کہتے ہیں۔ اس علم کے حصول کے لئے نبی ہونا شرط نہیں۔ یہ غیر نبی کو بھی ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ملہم (جس پر الہام ہو) کا صاحب تقویٰ ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ نبی کا الہام 'کشف یا خواب قطعی اور یقینی ہوتے ہیں جبکہ غیر نبی کے کشف 'الہام یا رؤیا میں نفس اور شیطان کی مداخلت ہو سکتی ہے' ان کا یہ علم قطعی اور یقینی نہیں بلکہ ظنی ہوتا ہے۔

وحی نبوت : یہ وحی کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اللہ انسانوں میں سے کچھ برگزیدہ بندوں کو انسانیت کی راہنمائی کے لئے چن لیتا ہے' پھر ان کے ذریعے اپنے احکامات لوگوں تک پہنچاتا رہتا ہے تاکہ خدا کے بندے خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزار سکیں اور خدا کا قانون خدا کی زمین پر نافذ کر سکیں۔ جن برگزیدہ ہستیوں کو نبی بنایا گیا ان کی تعداد سوا لاکھ کے قریب ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ پر نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ اس وحی کی آخری شکل قرآن پاک کی صورت میں اب تک موجود ہے جو قیامت تک موجود رہے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ (الحجر : ۹)

"بے شک ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

حضور ﷺ کا کشف 'الہام اور رؤیا بھی وحی کا حصہ ہیں اور حدیث مبارکہ کی شکل میں اب بھی محفوظ ہیں۔

مقاصد تعلیم

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک تعلیم کے دو بڑے مقاصد ہیں۔

(۱) عبودیت الٰہی (۲) قیادت عالم

عبودیت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے ہر حکم کے سامنے ہر حالت میں اس کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ عبودیت کے درج ذیل اجزاء ہیں۔ (۱) ایمان (۲) تقویٰ (۳) احسان (۴) معرفت الٰہی (۵) معرفت نفس (۶) معرفت کائنات ـــــ لہٰذا ان تمام اجزاء یا شعبوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقاصد تعلیم وضع کرنے چاہئیں۔

قیادت عالم سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور پوری کائنات اس کے لئے مسخر کر دی۔ چنانچہ انسان کا کام یہ ہے کہ زمین پر خدا کے قانون کو نافذ کر دے۔ تدوین نصاب میں اس اہم پہلو کو ضرور مد نظر رکھنا چاہئے۔

نصاب تعلیم

نصاب تعلیم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ ہے کہ نصاب میں علم کی دونوں اقسام یعنی علم الابدان اور علم الادیان کو شامل کیا جانا چاہئے۔ نصاب سازی اس طرح کی جائے کہ طلبہ میں معرفت نفس' معرفت الٰہی' تشکیل کردار اور فکر آخرت پیدا ہو۔ معرفت الٰہی کے لئے معرفت کائنات بھی ضروری ہے۔ معرفت کائنات کے لئے سائنسی علوم کی ضرورت ہے۔ اس لئے فلکیات' ارضیات' جغرافیہ' طبیعیات' حیاتیات اور ٹیکنالوجی جیسے سائنسی علوم کو بھی نصاب میں شامل کیا جانا چاہئے۔ اس کے علاوہ قانون وراثت' تجارت اور دوسرے شعبوں میں حساب کتاب کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ریاضی کو شامل نصاب ہونا چاہئے۔

تدوین نصاب کے وقت یہ بات ضرور پیش نظر رہنی چاہئے کہ اولین حیثیت قرآن و حدیث کو دی جائے' باقی تمام علم ان کے تابع ہوں' کیونکہ جو علم اِس علم کے تابع ہو گا وہی علم نافع ہو سکتا ہے۔ علوم کی تحصیل کے لئے زبان کی ضرورت ہے' اس لئے لکھنا' پڑھنا اور زبان دانی بھی نصاب کا حصہ ہو۔ حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مختلف زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔

ابتدائی نصاب : ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ ہے کہ ابتدائی درجوں کے نصاب میں تجوید

قرآن' لفظی ترجمہ' آسان ریاضی' عربی زبان کی پڑھائی لکھائی اور قومی زبان کی تعلیم شامل ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ بچوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ فرائض' سنتیں' جائز اور ناجائز کیا ہیں' حلال و حرام کیا ہیں۔ ملکی اور قومی سطح پر جنرل نالج بھی نصاب میں شامل ہو۔ تصور خدا اور تصور کائنات کے بارے میں آگاہی بھی اسی سطح پر شامل ہونی چاہئے۔

ثانوی سطح کا نصاب : ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی رائے یہ ہے کہ اس سطح پر مختلف فنون سکھائے جائیں۔ عربی گرائمر اور بول چال میں مہارت پیدا کی جائے تاکہ بچے قرآن و حدیث سے براہ راست استفادہ کر سکیں۔ علاوہ ازیں سائنسی اور عمرانی مضامین کی ابتدائی تعلیم بھی بچوں کو دی جائے۔

اعلیٰ سطح کا نصاب : ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اس سطح پر تخصّص (Specialization) کیا جانا چاہئے۔ "تذکر فی القرآن" اور "تدبر فی القرآن" کے لئے عربی کی اعلیٰ تعلیم بھی ضروری ہے۔ جدید عصری علوم کو سیکھنے کے ساتھ ساتھ قرآن کا فلسفیانہ مطالعہ بے حد اہمیت رکھتا ہے۔

معلّمِ مطلوب

جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک معلم مطلوب وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات ہوں :

۱۔ استاد کا کردار بندۂ مومن کا کردار ہونا چاہئے کیونکہ اس کا کام نئی نسل کی تعلیم و تربیت کرنا ہے۔ اس کا ہر عمل بچوں کے لئے نمونہ ہونا چاہئے۔

۲۔ استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر عبور رکھتا ہو' دینی علوم میں وسیع المطالعہ ہو تاکہ طلبہ کی بروقت راہنمائی کر سکے۔

۳۔ استاد کو نفس مضمون پر مکمل عبور ہونا چاہئے تاکہ وہ بچوں کو صحیح معلومات فراہم کر سکے۔

۴۔ استاد کو اپنے پیشہ معلّمی پر فخر اور اس کے ساتھ لگن ہونی چاہئے۔

۵۔ استاد کو علم نفسیات سے بھی آگاہی ہونی چاہئے تاکہ وہ بچوں کی نفسیات کے مطابق

ان سے پیش آئے۔

۶۔ استاد میں اتنی صلاحیت ہونی چاہئے کہ وہ بچوں میں مثبت اور فعال صلاحیتیں پیدا کر سکے اور بچوں کی خداداد صلاحیتوں کو نکھارنے میں مدد کر سکے۔

۷۔ استاد کا طریقہ تدریس دلچسپ' عام فہم اور زندگی سے مربوط ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں وہ مناسب موقعوں پر سمعی و بصری معاونات کا استعمال بھی جانتا ہو۔ {۶۵}

متعلّم مطلوب

ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے میں ایک مثالی طالب علم میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہونی چاہئیں :

☆ **مؤدب اور تابع فرمان :** متعلمین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اساتذہ کا ادب کریں اور ان کی حکم عدولی نہ کریں۔ مودب اور تابع فرمان ہوئے بغیر تحصیل علم ممکن ہی نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے "جس نے مجھے دین کی ایک بات بھی سکھادی مجھ پر اس کا احترام واجب ہے۔"

☆ **شائق علم :** ڈاکٹر صاحب کے نزدیک متعلمین کی ایک اور اہم خوبی یہ ہے کہ ان میں علم حاصل کرنے کا شوق اور تڑپ ہونی چاہئے۔ ایک مفکر کا قول ہے کہ "گھوڑے کو پانی تک تو لے جایا جا سکتا ہے مگر اسے پانی اس وقت تک پلایا نہیں جا سکتا جب تک اس میں پیاس نہ ہو۔"

☆ **مستقل مزاجی :** ایک طالب علم کو مستقل مزاج ہونا چاہئے۔ حصول علم کی راہ میں بعض اوقات کچھ مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ ایسے میں طالب علم کو خندہ پیشانی اور بلند حوصلگی سے ان مشکلات کا سامنا کرنا چاہئے۔

☆ **سادگی :** ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ ہے کہ طالب علم کی زندگی بہت سادہ ہونی چاہئے۔ زمانے کے فیشن اور رجحانات چھوڑ کر اسے پوری تندہی اور دلجمعی سے اپنی تعلیم کے حصول میں مگن رہنا چاہئے۔

☆ **جذبۂ عمل :** ڈاکٹر صاحب کے نزدیک طالب علم کی سب سے اہم خوبی یہ ہونی

چاہئے کہ وہ جو علم حاصل کرے اس پر عمل بھی کرتا ہو' یعنی اس میں علم کے مطابق عمل کا جذبہ بھی ہونا چاہئے۔ {۶۶}

تعلیمِ نسواں

ڈاکٹر اسرار احمد کے خیال میں :

"تمدن کی گاڑی کے مرد و عورت دو پہیے ہیں۔ ان کی جسمانی ساخت مختلف ہے' نفسیاتی کیفیات مختلف ہیں۔ یہ اختلافات تمدن کی ضرورت کے تحت رکھے گئے ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے سے وہ ایک دوسرے کی جنس ہیں۔ لیکن دینی اور اخلاقی اعتبارات سے دونوں کا جداگانہ اور مستقل تشخص ہے اور وہ اپنی اپنی شخصیت کے ذمہ دار ہیں۔" {۶۷}

خواتین کی تعلیم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ ہے کہ

"جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کی جسمانی اور نفسیاتی ساخت میں فرق کا تعین کر دیا ہے۔ اس تعین کی مقرر کردہ حد میں ذہنی' روحانی اور اخلاقی حصار کے ساتھ انہیں تعلیم و تربیت کے مکمل مواقع فراہم ہونے چاہئیں۔ غلط تعلیم کے ذریعے ایک بڑا الجھاؤ وجود میں آتا ہے جو اپنی تباہ کاریوں کے ذریعے ہماری بہترین صلاحیتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے۔" {۶۸}

خواتین کے نصاب تعلیم کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کا کہنا یہ ہے کہ

"میرے خیال میں لڑکیوں کے لئے ادب' فلسفہ' سائیکالوجی ایسے علوم ہیں جن سے بہترین نسلوں کو وجود میں لانا ممکن ہے۔ ایسے علوم جن سے ان کے اندر شعور پیدا ہو' جن سے تربیت اولاد کی صلاحیت میں اضافہ ہو' انسانی نفسیات کا فہم ہو' امورِ خانہ داری کی عملی تربیت کا مظاہرہ ہو' میڈیکل لائن میں خواتین کے ذریعے پردے میں خواتین کے عوارض کے علاج کی مکمل ترین سہولتوں کا اہتمام ہو۔ تاکہ عورتوں کا علاج معالجہ عورتیں ہی کر سکیں۔ سوائے اس کے کہ بہت ہی پیچیدہ معاملہ ہو تو مَردوں کے پاس جایا جائے' ورنہ اس سلسلہ میں مَردوں کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے"۔

علاوہ ازیں خواتین کو درس و تدریس کے شعبے سے منسلک ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے میں :

"خواتین کے لئے علیحدہ شعبہ تعلیم قائم کرنا از حد ضروری ہے تاکہ پردے کی عظمتوں کے ساتھ علم' مثالی معراج کمال سے خواتین میں منتقل ہو جائے"۔

ڈاکٹر صاحب مزید فرماتے ہیں۔

"چونکہ لڑکے اور لڑکیاں ابتدائی عمر (Tender Age) میں ماں کی شفقتوں کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ اس جذباتی کیفیت کے سبب خواتین پرائمری لیول تک' جہاں بچے ابھی کم سنی کے دور میں ہوں' اپنی محبتوں سے لبریز طریقہ تدریس سے بہترین نتائج برآمد کر سکتی ہیں۔ اس لیول کے بعد لڑکوں کو مرد اور لڑکیوں کو صرف خواتین اساتذہ کے شعبوں میں منتقل کر دینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس طرح دین کی پابندی کے ساتھ ساتھ معیاری کردار بھی حاصل ہو سکتا ہے۔"{۶۹}

مروّجہ دنیوی نظامِ تعلیم پر تنقید

موجودہ دنیوی نظام تعلیم کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے یہ ہے :

"ہمارے موجودہ نظام تعلیم کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں انسان کے سامنے کوئی ایک مقصد یا نظریہ زندگی نہیں آ رہا ہے' بلکہ عام طور پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ علم الابدان (Acquired Knowledge) ہی کل علم ہے جبکہ یہ علم' علم کل نہیں ہے۔ یہ علم تمام فلاسوفیکل سوالات کے جوابات نہیں دے سکتا۔ لہٰذا انسان مابعد الطبیعیات اور فلاسفی کے میدان میں خلا میں ہے' جبکہ یہ خلا پورے نظام تعلیم میں سرایت کر چکا ہے۔ یوں یہ نظام تعلیم محض دنیا کمانے کا ایک ذریعہ تو ہے' اس کا انسانی شخصیت' سیرت' مقاصد' آدرش' نصب العین اور آئیڈیل سے تعلق نہیں رہا۔ یہ بہت بڑا مسئلہ اور بہت بڑا خلا ہے۔"{۷۰}

موجودہ دینی مدارس کے نظامِ تعلیم پر تنقید

موجودہ دینی مدارس کے نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں :

"موجودہ دینی مدارس کا نظام تعلیم آج سے کئی سو سال پہلے 'مسلمان حکومتوں کی سول سروسز کی ٹریننگ کے طور پر بنایا گیا تھا' کیونکہ جب مسلمانوں کی حکومت تھی تو مسلمان قاضی درکار تھے جنہیں فقہ کا علم ہو اور وہ فقہ کے مطابق فیصلے دے سکیں۔ مسلمان خطیب درکار تھے' جو مدرسوں میں خطبہ دے سکیں' وعظ کہہ سکیں۔ اس طرح مسلمان مفتی درکار تھے جو قانونی رائے (Legal Opinion) دے سکیں۔ درحقیقت یہ نظام تعلیم ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس لئے اس میں سارا زور فقہ' قانون اور ظاہر پر ہے اور ایمان کی اصل حقیقت' دین کے وسیع تر نظریات اور حکمت دین اس سے خارج ہیں۔ لیکن جب ہمارے ہاں انگریزی حکومت آگئی تو پھر قاضیوں اور مفتیوں کی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی۔ قانونی معاملات میں ان کی Authority ختم ہو گئی۔ اب معاملہ محض وعظ اور مذہبی رسوم کی ادائیگی تک محدود ہو گیا اور اب تو یہ سارا نظام محض مذہبی پیشہ ور لوگ پیدا کرنے کا ذریعہ بن چکا ہے۔"{۱۷}

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک دونوں دنیوی اور دینی نظام ہائے تعلیم کی خامیوں کو دور کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کو قریب لایا جائے اور ان کے درمیان حائل خلیج کو پاٹا جائے۔

مذہب اور سائنس

مذہب اور سائنس کے متعلق ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے یہ ہے کہ :

"مذہب اور سائنس کے میدان تو مختلف ہو سکتے ہیں لیکن یہ ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں اور یہ ایک دوسرے کو contradict نہیں کرتے' بلکہ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اور نئی نئی ایجادات اور دریافتیں ہو رہی ہیں سائنس قرآن کے قریب آتی جا رہی ہے۔ قرآن کے وہ حقائق جو ابھی تک سائنس کے حوالے سے explain نہیں ہو سکے' ان کی الٹے سیدھے طریقے سے وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جیسے جیسے حقائق کھلتے جائیں گے' سائنس قرآن کی تصدیق کرتی جائے گی۔ مثلاً سات آسمانوں کی کیا حقیقت ہے' ہمیں آج تک معلوم نہیں ہے' لیکن ایک دن معلوم ہو جائے گا کہ یہ جو سات کا

ہندسہ دیا گیا ہے یہ صحیح ہے۔ یا جیسے قرآن نے کہا کہ "ہر چیز تیر رہی ہے' کسی شے کو سکون نہیں ہے' ہر شے حرکت میں ہے۔" آج ہمیں معلوم ہے کہ ایک ذرے سے لے کر پورے نظام شمسی تک' ہر چیز حرکت میں ہے' جبکہ ہمارا Acquired Knowledge بڑے عرصے تک اس چکر میں رہا کہ زمین ساکن ہے اور سورج حرکت کر رہا ہے۔ پھر پتہ چلا کہ نہیں صاحب! سورج ساکن ہے اور زمین حرکت کر رہی ہے۔ اب معلوم ہوا کہ زمین بھی چل رہی ہے اور سورج بھی چل رہا ہے۔ پھر پتہ چلا کہ سورج بھی اپنے پورے کنبے کو لے کر کسی اور ستارے کے گرد چل رہا ہے۔"{۷۲} (جاری ہے)

حواشی

{۶۰} ڈاکٹر اسرار احمد : حساب کم و بیش' ص ۸

{۶۱} ڈاکٹر اسرار احمد' اسلام کی نشاۃ ثانیہ : کرنے کا اصل کام' ص ۲۰ تا ۲۲

{۶۲} شیخ جمیل الرحمٰن : قافلہ تنظیم منزل بہ منزل

{۶۳} انٹرویو ڈاکٹر اسرار احمد

{۶۴} ڈاکٹر اسرار احمد : آڈیو کیسٹ' علم کی اقسام

{۶۵} انٹرویو ڈاکٹر اسرار احمد

{۶۶} ڈاکٹر اسرار احمد : آڈیو کیسٹ' طلبہ کے مسائل اور ان کا حل

{۶۷} ڈاکٹر اسرار احمد : اسلام میں عورت کا مقام' ص ۱۴

{۶۸} ڈاکٹر اسرار احمد : اسلام میں عورت کا مقام' ص ۱۰۵

{۶۹} ڈاکٹر اسرار احمد : اسلام میں عورت کا مقام' ص ۱۰۵

{۷۰} انٹرویو ڈاکٹر اسرار احمد

{۷۱} انٹرویو ڈاکٹر اسرار احمد

{۷۲} انٹرویو ڈاکٹر اسرار احمد

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَة

آیت ۱۰۸

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کیلئے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی علی الترتیب اللغۃ کیلئے ۱، الاعراب کیلئے ۲، الرسم کیلئے ۳، اور الضبط کیلئے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لئے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لئے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۶۵

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○

۲ : ۶۵ : ۱ اللغة

اِس آیت میں بھی بالکل نیا اور بلحاظ مادہ پہلی دفعہ آنے والا لفظ تو صرف "السبیل" ہے۔ باقی تمام کلمات براہِ راست (اپنی اسی موجودہ شکل میں) یا بالواسطہ (یعنی اصل مادہ کے لحاظ سے) پہلے گزر چکے ہیں۔ اِس لئے ہم عبارت کو چھوٹے چھوٹے جملوں (یا جملوں سے ملتے جلتے

حصوں) میں تقسیم کر کے ہر ایک جزء کے کلمات کی وضاحت کریں گے یا حسب ضرورت گزشتہ حوالہ دیتے جائیں گے۔

۲ : ۶۵ : ۱(۱) [اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ.....]

۱ "اَمْ" (آیا/کیا؟/ بلکہ / شاید) اس کی دو اقسام یعنی "اَمْ متّصلہ" اور "اَمْ منقطعہ" پر بات البقرہ :۶ [۲:۵:۱(۳)] میں ہو چکی ہے۔

۲ "تُرِيْدُونَ" (تم ارادہ کرتے ہو) اس کا مادہ "ر و د" اور وزن "تُفْعِلُونَ" ہے۔ یہ دراصل "تُرْوِدُوْنَ" تھا۔ پھر "ـُـ ـْـ وِ = ـُـ ـِـ یْ" کے مطابق "وِ" کی حرکت (ـِـ) ماقبل ساکن (رْ) کو منتقل ہوئی اور پھر خود "وْ" بوجہ ماقبل مکسور کے "یْ" میں بدل گئی یعنی تُرْوِدُوْنَ = تُرِوْدُوْنَ = تُرِيْدُوْنَ۔ گویا یہ اس مادہ سے بابِ اِفعال کا فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔

● اِس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد (جو قرآنِ کریم میں نہیں آیا) اور اس سے بابِ افعال کے فعل "اَرادَ يُرِيدُ" کی اصل صورت' اس کی تعلیل اور معنی (قصد کرنا' چاہنا' ارادہ کرنا) پر البقرہ :۲۶ [۲:۱۹:۱(۸)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ اس طرح اس صیغہ (تُرِيدُون) کا لفظی ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔ تاہم اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ "کیا تم یہ چاہتے ہو" سے کیا ہے۔ بعض نے ضمیر مخاطب کے بغیر ترجمہ بصورت "کیا یہ چاہتے ہو" کیا ہے جس میں اردو محاورے کے مطابق "تم" کا مفہوم موجود ہے۔ بعض نے اِس کا ترجمہ "کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو" کیا ہے جو تفسیری ترجمہ ہے۔ اس میں "بھی" کا استعمال آگے آنے والی عبارت "كَمَا سُئِلَ..." کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

۳ "اَنْ" (یہ کہ / کہ) کے استعمال اور معانی پر البقرہ :۲۶ [۲:۱۹:۱(۲)] میں پہلی دفعہ مفصل بات ہوئی تھی۔ اِس کے بعد اب تک یہ لفظ نو دفعہ گزر چکا ہے۔ یہاں یہ مصدریہ ناصبہ ہے۔ اس کی وجہ سے ترجمے میں (یہ کہ) آتا ہے جسے اُردو محاورے کے مطابق جملے میں جدا کر کے استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ" کی صورت میں۔

۴ "تَسْئَلُوْا" ("کہ" : تم پوچھو' سوال کرو) اس کا مادہ "س ء ل" اور وزن "تَفْعَلُوا" ہے۔ اِس مادہ سے فعل مجرد "سَأَلَ يَسْأَلُ" (= مانگنا' پوچھنا' سوال کرنا) کے باب اور استعمالات کے متعلق البقرہ :۶۱ [۲:۳۹:۱(۱۳)] میں وضاحت کی جا چکی ہے۔ "تسألوا" اس فعل سے صیغہ مضارع منصوب (جمع حاضر) ہے' علامتِ نصب آخری نون کا گرنا ہے (دراصل تَسألونَ

تھا) واو الجمع کے بعد الف لکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح "اَنْ تسألوا" کا مجموعی ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ یعنی "...... کہ سوال کرو"۔ اس کے مصدری ترجمہ پر "الاعراب" میں مزید بات ہوگی۔

۵ "رَسُوْلَكُمْ" (تمہارے (اپنے) رسول کو)۔ اس کا آخری حصہ (كُمْ) تو ضمیر مجرور ہے بمعنی "تمہارا"۔ پہلا لفظ "رَسُوْل" اس سے پہلے البقرہ :۸۷ [۲: ۵۳:۱(او ۴)] میں گزرا ہے اور وہاں اس کی لغوی وضاحت بھی ہوئی تھی جس کا یہاں دوبارہ مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔ اِس کا مادہ "ر س ل" اور وزن "فَعُوْلٌ" ہے۔ اِس مادہ سے فعل مجرد "بالوں کا لمبا ہونا اور اونٹ کا نرم رفتار ہونا" کے لئے آتا ہے' تاہم یہ فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا' بلکہ قرآنِ کریم میں یہ مادہ بصورتِ فعل صرف بابِ افعال سے استعمال ہوا ہے۔ لفظ "رَسُوْل" اس مادہ سے کسی متروک الاستعمال فعل کا مصدر بمعنی "رِسَالة" (پیغام) ہے اور مصدر بمعنی اسم الفاعل بھی استعمال ہوتا ہے یعنی "پیغام والا/ پیغمبر"۔ اصل میں مصدر ہونے اور "فَعُوْل" کے وزن پر ہونے کی وجہ سے ہی یہ لفظ (رسول) مذکر مؤنث واحد جمع کے لئے یکساں رہتا ہے۔ مثلاً هُوَ رسولٌ- هي رسولٌ- هُم رسولٌ اور هُنَّ رسولٌ کہہ سکتے ہیں اور اسی لئے قرآنِ کریم میں ایک جگہ (الشعراء : ۱۶) یہ لفظ مبتدأ (جمع) کے لئے خبر (بلفظ واحد) آیا ہے یعنی "اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" اردو میں اس کے لئے فارسی لفظ "پیغمبر" بھی استعمال ہوتا ہے اور خود لفظ "رسول" اپنے اصطلاحی معنی (اللہ کے پیغام لانے والا) کے ساتھ عام رائج ہے۔ اور اسی لئے اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

۲ : ۶۵ : ۱(۲) [كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ]

۱ "كَمَا" (جیسے/ جیسا کہ/ جس طرح) یہ کاف الجر اور "مَا" موصولہ کا مرکب ہے "کَ" بمعنی "مثل" بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس پر مفصل بحث البقرہ :۱۳[۲:۱۰:۱(۱)] میں گزری ہے جہاں یہ لفظ دو دفعہ وارد ہوا ہے۔

۲ "سُئِلَ" (سوال کیا گیا/ پوچھا گیا/ سوال کیے جا چکے/ ہو چکے) کا مادہ "س ء ل" اور وزن "فُعِلَ" ہے۔ یعنی یہ اس مادہ سے فعل مجرد کا صیغہ ماضی مجہول ہے۔ اس فعل مجرد پر ابھی اوپر "اَنْ تَسْئَلُوْا" میں اور اس سے پہلے البقرہ :۶۱ [۲:۳۹:۱(۱۳)] میں بات ہو چکی ہے۔ یہاں جمع کے ساتھ ترجمہ (سوال کیے گئے/ جا چکے) ایک طرح سے تفسیری ترجمہ ہے کیونکہ ان لوگوں (قومِ موسیٰ علیہ السلام) نے کئی بار اور متعدد ناروا سوال پوچھے تھے اور ماضی مجہول کا صیغہ دوسرے

محذوف مفعول مطلق کی بناء پر واحد جمع دونوں معنی کا متحمل ہو سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس مجہول فعل کے مختلف صیغے تین جگہ آئے ہیں۔ اس کے یہاں مصدری معنی پر آگے "الاعراب" میں مزید بات ہوگی۔

۳ "مُوْسٰی" مشہور پیغمبر کا نام ہے۔ یہ لفظ پہلی دفعہ البقرہ :۵۱ [۲: ۳۳: ۱(۲)] میں آیا تھا اور وہاں اس کے اشتقاق اور معنی پر بھی بات ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک یہ لفظ نو دفعہ گزر چکا ہے۔

۴ "مِنْ قَبْلُ" (پہلے بھی/ اس سے پہلے) یہ ترکیب جاری سب سے پہلے البقرہ :۲۵ [۲: ۱۸: ۱(۷)] میں زیر بحث آ چکی ہے اور پھر البقرہ :۸۹ [۲: ۵۴: ۱(۳)] میں بھی گزر چکی ہے۔ "مِنْ" الجارہ اور ظرف "قبل" کے الگ الگ استعمال اور معانی پر البقرہ :۴ [۲: ۳: ۱(۴)] میں بات ہوئی تھی۔

● یوں اِس عبارت (کما سُئِل موسٰی من قبل) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "جیسا کہ سوال کیا گیا تھا موسیٰ کو پہلے بھی/ اس سے پہلے) اُردو محاورے کے مطابق یہاں تمام مترجمین نے "کو" کی بجائے "سے" کے ساتھ ہی ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے سوال کو جمع کا مفہوم دے کر ترجمہ "سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے پہلے" کی صورت میں کیا ہے جس میں یہ ابہام رہ جاتا ہے کہ شاید یہ سوالات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کسی کو پیش کیے گئے۔ اسی لئے بعض مترجمین نے "مِنْ قَبْلُ" کا ترجمہ "اس سے پہلے" اور بعض نے "اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام سے بھی" کے ساتھ کیا ہے۔ بعض نے "جس طرح کے سوال پہلے موسیٰ علیہ السلام سے کیے گئے" کے ساتھ ترجمہ کیا ہے جو زیادہ جامع ہے۔ بعض نے "سوال" کے لئے "بیہودہ درخواستیں" اور "ایسی ایسی بے جا درخواستیں" (کی جا چکی ہیں) کی صورت میں ترجمہ کیا ہے جس سے پیغمبر (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا احترام اور سوال کی نوعیت کی وضاحت (تفسیر) مقصود ہے۔

۲ : ۶۵ : ۱(۳) [وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ]

۱ "وَ" (اور) یہاں مستانفہ ہے جس کے متعلق [۲: ۷: ۱(۱)] میں بات ہوئی تھی۔ یہاں یہ "اور یہ بھی سوچ لو کہ" کا مفہوم رکھتی ہے۔

۲ "مَنْ" (جو کوئی بھی کہ/ جو کوئی/ جو شخص/ جس شخص نے)۔ یہاں یہ (مَنْ) شرطیہ موصولہ ہے' دیکھئے البقرہ :۸ [۲: ۷: ۱(۴)]

۳ "يَتَبَدَّلْ" (لیوے/ لے لے/ اختیار کرے..... کو بدلے..... کے بدلے/ لے.....

بدلے..... کے) اِس کا مادہ "ب د ل" اور وزن "یَتَفَعَّلُ" ہے' یعنی یہ اس مادہ سے بابِ تفعّل کا صیغہ مضارع (واحد مذکر غائب) مجزوم ہے (جزم کی وجہ "الاعراب" میں آئے گی) اور اس میں آخری ساکن لام (ل) کو آگے ملانے کے لئے کسرہ (ـِـ) دی گئی ہے (بصورتِ "لِ") اِس مادہ سے فعل مجرد (جو قرآنِ کریم میں کہیں استعمال نہیں ہوا) کے معنی وغیرہ پر۔ نیز اس سے بابِ تفعیل کے استعمال پر البقرہ :۵۹ [۲:۷:۱(۹)] میں اور اسی مادہ سے باب استفعال کے استعمال پر البقرہ :۶۱ [۲:۳۹:۱(۹)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ ان (گزشتہ) دونوں مواقع پر "بَدَّلَ" اور "اِسْتَبْدَلَ" کے مفعول ثانی پر باء (بِ) کے صلہ کے استعمال پر ـــــ ضرورت ہو تو ـــ ایک دفعہ نظر ڈال لیجئے۔

● زیرِ مطالعہ فعل "یَتَبَدَّل" استعمال اور معنی کے لحاظ سے فعل "اِسْتَبْدَلَ" کی مانند ہے' البتہ باب "تفعّل" میں فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے جبکہ "اِستبدَل" صرف متعدی فعل ہے۔ یعنی "تَبَدَّلَ" کے معنی "تَغَیَّرَ" (بدل گیا' تبدیل ہوگیا) بھی ہوتے ہیں اور "تبدَّلَ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ" ہی کے معنی "اِسْتَبْدَلَ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ" (بدل کر ① کو لے لیا بدلے/ کے بجائے ② کے) بھی ہوتے ہیں اور اس فعل کے (بابِ تفعّل سے) متعدی استعمال میں بھی (باب استفعال کی طرح) ایک مفعول (جو چیز بدلے میں لی جائے) تو مفعول بنفسہٖ منصوب ہو کر اور دوسرا مفعول (جو چیز بدلے میں دے دی جائے) "بِ" کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس باب (تفعّل) سے فعل کے مختلف صیغے تین جگہ آئے ہیں۔ اور ہر جگہ یہ فعل متعدی اور ہر دو مفعول کے ذکر سمیت آیا ہے۔ جیسا کہ زیرِ مطالعہ آیت میں ہے۔

④ "اَلْکُفْرَ" (کفر کو/ (لے لے) کفر)۔ یہ فعل مجرد "کفَر یکفُر" کا مصدر ہے جس کا وزن (لام تعریف نکال کر) "فُعْلٌ" ہے۔ اس فعل کے باب اور معنیٰ وغیرہ پر سب سے پہلے البقرہ :۶ [۲:۵:۱(۱)] میں بات ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک اس فعل سے مختلف صیغے پندرہ جگہ گزر چکے ہیں۔ البتہ یہ مصدر (اَلْکُفْر) یہاں پہلی دفعہ آیا ہے۔ یہ لفظ (کُفر) اپنے پورے اصطلاحی معنی کے ساتھ اردو میں عام مستعمل ہے۔ اس لئے اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ البتہ بعض نے اس کا ترجمہ بصورت "اِنکار" کیا ہے۔

⑤ "بِالْاِیْمَانِ" (بدلے/ بجائے ایمان/ یقین کے' ایمان کے بدلے میں) ابتدائی "بِ" تو وہ صلہ ہے جو فعل "تبدَّل" (اور "استبدل") کے دوسرے مفعول (جو چیز بدلے میں دے دی

جائے) پر لگتا ہے۔ "الاِیمَان" کا مادہ "ا م ن" اور وزن (لام تعریف نکال کر "اِفعال") ہے۔ یعنی یہ اس مادہ سے بابِ افعال کا مصدر ہے۔ یہ دراصل "اِءْمَان" تھا۔ مہموز کے قاعدۂ تخفیف (ءءْ = ءِیْ) کے مطابق دوسرا ساکن ہمزہ پہلے متحرک ہمزہ کی حرکت (ـِـ) کے موافق حرفِ علت (ی) میں بدل گیا۔ یوں یہ لفظ "اِیْمَان" ہوگیا۔

● بابِ افعال کے اِس فعل (آمَنَ یؤْمِنُ ایمانًا) کے معنی اور استعمال پر سب سے پہلے البقرہ : ۳ [۲ : ۲ : ۱ : (۱)] میں مفصل بات ہوئی تھی۔ اِس کے بعد سے اب تک اِس فعل سے مختلف صیغے قریباً بیس جگہ آ چکے ہیں۔ البتہ مصدر (ایمان) یہاں پہلی دفعہ آیا ہے۔ یہ لفظ (ایمان) بھی ایک اصطلاح کے طور پر اُردو میں اتنا رائج اور متعارف ہے کہ اکثر مترجمین نے اِس کے ترجمہ کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

● یوں اِس زیرِ مطالعہ حصّہ آیت (وَ مَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "اور جو کوئی بدل کر لے لے کفر بجائے ایمان کے" پھر اسے جملے کی اردو ساخت (Syntax) کے مطابق "جو کوئی ایمان کے بدلے / بدل میں کفر لے لے / اختیار کرے" کی صورت دی گئی ہے۔ اکثر حضرات نے اردو میں بھی اصل عربی فعل کی طرح مضارع کے ساتھ ہی ترجمہ کیا ہے۔ البتہ بعض نے اس کا ترجمہ (غالباً شرط کے مفہوم کی بناء پر) فعل مستقبل کے ساتھ بصورت "لے لے گا / اختیار کرے گا" کیا ہے۔ عربی میں مضارع ہی حال اور مستقبل دونوں کا کام دیتا ہے۔ البتہ جن حضرات نے اس کا ترجمہ فعل ماضی کے ساتھ بصورت "ایمان کے بدلے کفر لیا" کیا ہے تو یہ اردو محاورے کی وجہ سے ہے۔ بعض نے ایمان کا ترجمہ "ایمان لانے کی بجائے" سے اور "کفر" کا ترجمہ "کفر کی باتیں کرنا" سے کیا ہے' جو بلحاظ مفہوم درست ہے۔

۲ : ۶۵ : ۱(۴) [فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ]

❶ "فَقَدْ" (پس تحقیق / سو یقیناً / تو بیشک) اس میں پہلی "فَ" (جو زیادہ تر عاطفہ بمعنی "پھر / پس /" آتی ہے) یہاں جوابِ شرط پر داخل ہونے کے باعث اس کا ترجمہ "تو" سے ہوگا اور "قَدْ" حرفِ تحقیق ہے۔ اِس کے معنی اور استعمال پر البقرہ :۶۰ [۲ : ۳۸ : ۱ (۸)] میں بات ہو چکی ہے۔ قَدْ (بے شک) کبھی فَقَدْ (پس بیشک) اور کبھی "لَقَدْ" کی صورت میں (یعنی لامِ تاکید + حرفِ تحقیق) بھی استعمال ہوتا ہے۔

❷ "ضَلَّ" (بھٹک گیا / گمراہ ہوا / بہک گیا / دور جا پڑا) جس کا مادہ "ض ل ل" اور وزنِ اصلی "فَعَلَ" ہے' کے معانی اور استعمال پر الفاتحہ :۷ [۱ : ۶ : ۱ (۶)] میں بات ہو چکی ہے۔ اور

اس کے بعد اس سے بابِ افعال کا صیغہ مضارع "یُضِلُّ" (گمراہ کرتا ہے) البقرہ :۲۶ میں اور ایک اسم (مصدر) "ضَلالَة" بھی البقرہ :۱۶ میں گزرے ہیں۔

۳ "سَوَاءٌ" (درمیان / برابر / ٹھیک وسط / یکساں) کے مادہ (سوو) وزن اور معانی و استعمال پر البقرہ :۶ [۲: ۵: ۱ (۲)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ یہاں یہ لفظ بصورت "سَوَاءَ" یعنی منصوب اور خفیف ہو کر آیا ہے جس کی وجہ آگے "الاعراب" میں بیان ہوگی۔

۴ "السَّبِیل" (راستہ / راہ) کا مادہ "س ب ل" اور وزن "فَعِیلٌ" ہے (عبارت میں لفظ معرف باللام اور مجرور آیا ہے) اس مادہ سے فعل مجرد بہت کم استعمال ہوتا ہے بلکہ اکثر کتب (معاجم) میں اس کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ البتہ مزید فیہ کے ایک دو ابواب سے مختلف معانی کے لئے فعل استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآنِ کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی صیغہ فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔ قرآنِ کریم میں اس مادہ سے مشتق صرف یہی اسم (سَبِیل) مفرد' مرکب' معرفہ' نکرہ اور مختلف حالتوں (رفع' نصب' جر) میں قریباً ۱۶۶ جگہ وارد ہوا ہے اور اس کی جمع مکسر "سُبُلٌ" بھی مختلف تراکیب کی صورت میں کم و بیش دس جگہ آئی ہے۔

لفظ "سَبِیل" کے بنیادی معنی "راستہ" کے ہی ہیں اور یہ لفظ مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے بلکہ خود قرآنِ کریم میں بھی یہ دونوں طرح آیا ہے (مثلاً مذکر استعمال کے لئے دیکھئے "الاعراف :۱۴۶" اور مؤنث استعمال کے لئے دیکھئے "یوسف :۱۰۸" اتفاق کی بات ہے کہ اُردو میں مذکر ترجمہ "راستہ" اور مؤنث ترجمہ "راہ" بالکل مترادف ہیں۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ "سَبِیل" بعض دوسرے معانی مثلاً "ذمہ داری' گرفت' الزام' مواخذہ' باز پرس" کے لئے (خصوصاً "علٰی" کے ساتھ) اور بمعنی "سنگت' قریبی تعلق" بھی ("مَعَ" کے ساتھ) استعمال ہوا ہے۔ تاہم غور سے دیکھا جائے تو ان سب معانی کے پیچھے "راستہ" کا مفہوم موجود ہے۔ اسی طرح قرآنِ کریم میں اس لفظ کے بعض مخصوص اور بامحاورہ استعمال کی صورتیں بھی آئی ہیں مثلاً "ابن السَّبِیل" اور "سبیل اللّٰہ" جن پر حسب موقع بات ہوگی۔ ان شاء اللّٰہ۔

اور ان ہی بامحاورہ صورتوں میں سے زیر مطالعہ ترکیب "سواءَ السَّبِیل" ہے جس کا لفظی ترجمہ تو ہے "راستے کا ٹھیک درمیان" یا "درمیانی حصہ" جس میں راستہ سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہونے کا مفہوم ہے۔ اس لئے اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ "سیدھا راستہ" "سیدھی راہ" سے اور بعض نے "راہِ راست" اور "ٹھیک راستہ" سے کیا ہے۔

● یوں اس حصہ آیت "فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِیل" کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "تو بیشک وہ بھٹک گیا راستے کی ٹھیک درمیانی جگہ سے" جسے بعض نے جملے کی عربی ساخت کے مطابق فعل کا

ترجمہ پہلے کرتے ہوئے بصورت "پس تحقیق/ تو/ وہ گمراہ ہوا/ بھولا/ بہکا/ بھٹک گیا/ سیدھی راہ/ سیدھے راستے/ سے" کیا ہے۔ جبکہ بعض نے اجزائے جملہ کی اردو ترتیب کے مطابق فعل کا ترجمہ بعد میں کیا ہے۔ یعنی "تو/ سو وہ یقیناً/ بلاشک راہ راست/ سیدھی راہ/ سیدھے راستے سے دُور جا پڑا/ بھٹک گیا/ بہک گیا" کی صورت میں۔

۲ : ۶۵ : ۲ الإعراب

آسانی کے لئے یہاں بھی ہم زیر مطالعہ آیت کو (بحث "اللغة" کی طرح) چار جملوں (حصّوں) میں تقسیم کر کے "اعراب" کی بات کریں گے۔

❶ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ......

[اَمْ] یہاں منقطعہ ہے کیونکہ عبارت میں اس سے پہلے کوئی (ءَ) ھمزۃ التسویہ (دیکھئے [۲ : ۱۵ ا (۳)]) نہیں آیا۔ ایسا "اَمْ" عموماً "بَلْ أَ" ....(بلکہ کیا/ بلکہ شاید) کے معنی دیتا ہے۔ [تُرِيْدُوْن] فعل مضارع معروف صیغہ جمع حاضر مذکر ہے جس میں ضمیر فاعلین "اَنْتُم" مستتر ہے۔ [اَنْ] ناصبہ مصدریہ ہے [دیکھئے ۲:۱۹:۱ (۲)] اور [تسئلوا] فعل مضارع منصوب (بِاَن) ہے' علامتِ نصب آخری نون کا گرنا ہے۔ اس صیغہ میں ضمیر فاعلین "انتم" شامل ہے۔ اور [رَسُولَكُم] میں "رَسول" مفعول (فعل "تَسْئَلوا" کا) لہٰذا منصوب ہے۔ علامتِ نصب "لَ" کی فتحہ ہے کیونکہ یہاں لفظ "رسول" آگے مضاف ہونے کے باعث خفیف بھی ہے۔ ضمیر مجرور "کُمْ" مضاف الیہ ہے۔ یعنی دراصل تو پورا مرکب اضافی (رَسُولَكم) مفعول ہے۔ اور چونکہ "اَن" کے بعد والے فعل مضارع سمیت مصدر کے معنی میں سمجھا جا سکتا ہے (جسے مصدر مؤول کہتے ہیں) لہٰذا یہاں "ان تسئلوا" کی بجائے لفظ "سوال" لگ سکتا ہے (بلحاظ مفہوم) مقدر عبارت "اَتریدون سُوالَ رسولِکم" ہوگی۔ گویا اس عبارت کا ترجمہ "چاہتے ہو کہ سوال کرو" کی بجائے "چاہتے ہو سوال کرنا/ پوچھنا اپنے رسول سے" بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم اردو کے تمام مترجمین نے اس (مصدری) ترجمہ کو نظرانداز کیا ہے ـــــ سب نے "کہ سوال کرو" سے ہی ترجمہ کیا ہے۔ مصدری ترجمہ کی صورت میں "اَن" کا ترجمہ (کہ) کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

❷ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ

[كَمَا] میں کاف الجر (كَ) تشبیہ کے لئے ہے بمعنی "مانند" اور "مَا" موصولہ (بمعنی "جو کہ") ہے۔ دیکھئے [۲:۱:۱ (ا)] [سُئِل] فعل ماضی مجہول برائے واحد مذکر غائب ہے جس کا

فاعل مذکور نہیں (مُراد قومِ موسیٰ ہے) اس کے بعد [مُوسٰی] نائب فاعل (لہٰذا) مرفوع ہے (جس میں ظاہراً کوئی علامت رفع نہیں ہے) اور چونکہ ایسے موقع پر "ما" بھی مصدریہ استعمال ہو سکتی ہے یعنی "مَا" اور اس کے بعد والا فعل مل کر اس فعل کا مصدر (بلحاظ معنی) سمجھا جا سکتا ہے۔ گویا یہاں "مَا سُئِل" کو مصدر (مووّل) "سوال" سمجھیں تو عبارت "کَمَا سُئِل مُوسٰی" کو "کَسُوالِ موسٰی" سمجھا جا سکتا ہے۔ خیال رہے مصدر فعل معروف اور مجہول دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے۔ یعنی "سوال" کا مطلب "پوچھنا/ سوال کرنا" بھی ہو سکتا ہے اور "پوچھا جانا/ سوال کیا جانا" بھی۔ اس لئے ابھی اوپر "اَنْ تسئَلوا" (فعل معروف) کا مصدر بھی "سوال" ہی بنا تھا اور یہاں "ما سُئِل" کی مصدری صورت بھی وہی "سوال" ہی بنتی ہے۔ گویا سابقہ اور موجودہ عبارت کے مصدر مووّل ہو سکنے والے حصّہ عبارت "تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَکُمْ کَمَا سُئِلَ مُوْسٰی" کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی ظاہر کر سکتے ہیں (سمجھانے کے لئے) "تُرِیدُون سُؤالَ رَسولِکُم کسُؤالِ (قومِ موسٰی نبیَّھم) مُوسٰی" ---- اُردو کے صرف ایک مترجم نے "کما سئل" کا مصدری ترجمہ "جیسا سوال" کی صورت میں کیا ہے۔ [مِن قبل] میں "مِن" جارہ ہے مگر مجرور "قبل" مبنی بر ضمہ (ُ) ہے' کیونکہ اس کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ گویا دراصل "مِن قبلِ سُؤالِکم" (تمہارے پوچھنے سے پہلے) تھا۔ اور یہاں اس "مِن قبلُ" کا ذکر صرف تاکید کے لئے ہے ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے جو سوال کئے گئے وہ پہلے (قبل) کی بات ہی تو ہے۔ اسی لئے "کَمَا" اور "مِن قبل" کا ترجمہ "ویسے ہی سوال پہلے بھی" کیا گیا ہے۔

❸ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ.....

[وَ] یہاں مستانفہ ہے [مَنْ] موصولہ شرطیہ ہے جس کی وجہ سے اگلا فعل مضارع (صیغہ واحد مذکر غائب) [یَتَبَدَّلْ] مجزوم ہے' علامتِ جزم "ل" کا سکون ہے (جسے صرف آگے ملانے کے لئے کسرہ (ِ) دی گئی ہے) [الکُفرَ] اس فعل مضارع کا مفعول (لہٰذا) منصوب ہے علامت نصب "ر" کی فتحہ (َ) ہے (معرف باللّام ہونے کی وجہ سے) [بالایمانِ] کی ابتدائی "بِ" جارہ صلہ فعل ہے اور یہاں یہ "باء" تعویض (کے بدلے) کے لئے ہے ("بِ" کے استعمال کے لئے چاہیں تو بحث "استعاذہ" دیکھ لیں) اور ------ "الایمانِ" مجرور بالجر ہے۔ یہاں تک اس جملہ شرطیہ کا پہلا حصّہ (بیانِ شرط) مکمل ہوتا ہے۔ دوسرا حصّہ (جوابِ شرط) آگے آ رہا ہے۔

۴ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ

[فَ] عاطفہ یہاں جوابِ شرط کے رابطہ کے لئے (بمعنی "تو/سو") ہے اور [قَدْ] حرفِ تحقیق ہے۔ [ضَلَّ] فعل ماضی معروف ہے جس میں ضمیر واحد مذکر غائب "ھُوَ" بطورِ فاعل شامل ہے [سَوَاءَ] مفعول بہ منصوب ہے۔ علامتِ نصب آخری "ءَ" کی فتحہ (ـَـ) ہے۔ کیونکہ یہ آگے مضاف الیہ ہونے کے باعث خفیف بھی ہے۔ [السَّبِيلِ] مضاف الیہ مجرور ہے' علامتِ جر "لِ" کی کسرہ (ـِـ) ہے۔ عبارت کا یہ حصّہ جوابِ شرط ہے جسے نحوی لوگ محلاً مجزوم کہتے ہیں۔ اگرچہ یہاں جوابِ شرط میں فعل مجزوم نہیں آیا۔

۲ : ۶۵ : ۳ الرسم

زیرِ مطالعہ آیت کے تمام کلمات کا رسم عثمانی اور رسم املائی یکساں ہے ماسوائے دو کلمات یعنی "تَسْـَٔلُوا" اور "بِالْاِيمَانِ" کے' تفصیل یوں ہے :

● "تَسْـَٔلُوْا" (جس کا عام رسم املائی تو "تَسْأَلُوا" ہے' کیونکہ عام قاعدۂ املا یہ ہے کہ ہمزۂ مفتوحہ اگر کسی لفظ کے درمیان میں ہو (یعنی ابتداء یا آخر میں نہ ہو) تو اسے الف (ا) پر لکھا جاتا ہے' تاہم عام املاء میں اسے کبھی بصورتِ "تَسْئَلُوا" بھی لکھتے ہیں جو رسم املائی اور رسم عثمانی دونوں کے لحاظ سے غلط ہے۔ مگر رسم عثمانی میں یہ لفظ بصورتِ "تَسْـَٔلُوا" لکھا جاتا ہے۔ یعنی اس کی "کرسی" والا الف (ا) حذف کر دیا جاتا ہے مگر "س" (ساکنہ) اور "ل" (متحرکہ) کے درمیان ہمزہ (ء) کی کرسی کے لئے کوئی نبرہ (دندانہ) بھی نہیں بنایا جاتا۔ تھوڑی سی لمبی خالی جگہ (س اور ل کے درمیان) چھوڑی جاتی ہے جس پر ہمزۂ قطع بذریعہ ضبط ظاہر کیا جاتا ہے۔ مزید وضاحت (برائے کتابتِ ہمزہ) کے لئے دیکھئے [۲:۱۱: ۳] میں کلمہ "مُستھزِءُون" کا رسم اور [۲ :۲۲: ۳] میں کلمہ "اَنبِئُونی" کی بحث رسم۔ بعض ممالک (مثلاً ایران) میں اسے جو بصورتِ "تسئلوا" (ہمزہ کو "ی" کے دندانہ / نبرہ پر) لکھتے ہیں تو یہ رسم عثمانی کی خلاف ورزی ہے۔ بخلافِ کلمہ "سُئِلَ" کے (جو آگے آ رہا ہے) کہ اس کے لئے رسم املائی اور رسم عثمانی دونوں میں نبرہ (یعنی دندانہ برائے "ی") ڈالا جاتا ہے۔ یعنی "س" اور "ل" کے درمیان بصورتِ "سىل" اور پھر اس دندانہ کے اوپر یا نیچے ہمزہ (ء) اور اس کی حرکت کو بذریعہ ضبط ظاہر کرنے کے مختلف طریقے ہیں جیسا کہ ضبط میں آئے گا۔

● دوسرے کلمہ "اِیمان" (بِالایمن میں) کے رسم میں اختلاف ہے۔ الدانی نے اس میں الف کے حذف (جو "م" اور "ن" کے درمیان ہے) کی تصریح نہیں کی جو اثبات کو مستلزم ہے۔

اس لئے افریقہ میں سے لیبیا اور کئی مشرقی ممالک (برصغیر میں ترکی ایران وغیرہ کے مصاحف میں اسے باثباتِ الف بصورتِ "بِالإِیمَان" لکھا جاتا ہے۔ جبکہ ابوداؤد کی طرف منسوب قول کے مطابق بیشتر عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں اسے بحذف الف (بین المیم والنون) بصورتِ "بِالا یمٰن" لکھا جاتا۔

۲ : ۶۵ : ۴ الضبط

ذیل میں ہم زیر مطالعہ قطعہ کے کلمات کے لئے قرآنی ضبط کے مختلف طریقے نمونوں کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔ جو کلمات پہلے گزر چکے ہیں ان کا بحث ضبط والا گزشتہ حوالہ لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ بعض کلمات کے ضمن میں کچھ مزید وضاحت (صرف نمونہ کے علاوہ) بھی کی گئی ہے۔

"اَمۡ" [۲: ۵: ۴]۔ تُرِیۡدُوۡنَ/ تُرِیدُونَ/ تُرِیدُونَ/ تُرِیدُونَ۔ اَنۡ (نون مخفاة کے ساتھ، جیسے یہاں ہے، پہلی دفعہ [۲: ۱۹: ۴] میں اور نون مخفاة و مظہرہ دونوں کے ساتھ [۲: ۴۴: ۴] میں گزرا ہے) تَسۡئَلُوۡا/ تَسۡئَلُوۡا/ تَسۡئَلُوۡا/ تَسۡئَلُوۡا۔ رَسُوۡلَکُمۡ/ رَسُوۡلَکُمۡ/ رَسُوۡلَکُمۡ/ رَسُوۡلَکُمۡ۔ کَمَا [۲: ۱۰: ۴] میں پہلی دفعہ دو مرتبہ گزرا ہے۔ سُئِلَ/ سُئِلَ/ سُئِلَ/ سُئِلَ/ سُئِلَ۔ مُوۡسٰی [۲: ۳۳: ۴] مِنۡ قَبۡلُ پہلی دفعہ یہی ترکیب البقرہ :۲۵ [۲: ۱۸: ۴] میں گزری ہے وَمَنۡ یَّتَبَدَّلِ۔ نون مخفاة ماقبل یائے متحرکہ کے ساتھ (جیسے یہاں ہے) البقرہ :۸ [۲: ۷: ۴] میں "مَنۡ یَّقُوۡلُ" کی صورت میں گزرا ہے۔ (یتبدلِ) اَلۡکُفۡرَ/ اَلۡکُفۡرَ/ اَلۡکُفۡرَ/ اَلۡکُفۡرَ۔ بِالۡاِیۡمَانِ/ بِالۡاِیمٰنِ/ بِالۡاِیمَانِ/ بِالۡاِیمَانِ/ بِالۡاِیمٰنِ/ بِالۡاِیمٰنِ (ہر دو بحذفِ الف) فَقَدۡ/ فَقَدۡ/ فَقَدۡ/ فَقَدۡ۔ ضَلَّ--- سَوَآءَ السَّبِیۡلِ/ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ/ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ/ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ/ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ۔

فکر اقبال کے وارث اور شارح ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم
کی فکر انگیز تصنیف "Manifesto of Islam" کا اردو ترجمہ
منشورِ اسلام
کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے
مترجم : ڈاکٹر ابصار احمد
صفحات ۱۷۶ نفیس کتابت، سفید دبیز کاغذ، دیدہ زیب ٹائٹل، عمدہ مضبوط جلد
قیمت صرف ۷۵/ روپے
شائع کردہ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

تبصرہ کتب

اسلامی معاشی اصول
عہد جدید کے تناظر میں

مصنف : فاروق عزیز
پرنٹرو پبلشرز : مکتبہ آئین نو-A-75/1 B' ایف-بی ایریا' کراچی
تبصرہ نگار : پروفیسر حافظ محمد اشرف
شعبہ معاشیات 'گورنمنٹ اسلامیہ کالج آف کامرس' علامہ اقبال ٹاؤن 'لاہور

کتاب ہذا کا آغاز "حسبُنا کتابُ اللّٰہ" کے نعرہ مستانہ سے کیا گیا ہے۔ "آغاز سخن" میں فاضل مصنف نے زیر تبصرہ کتاب کی غایت تحریر کی وضاحت بالصراحت کی ہے۔ ان کے خیال میں "اسلامی فلاحی مملکت" کا وہ حسین خواب ہنوز شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا جو کہ مفکر و مبشر پاکستان حضرت علامہ اقبال نے آج سے کم و بیش ستر سال قبل دیکھا تھا۔ اسلامیان ہند کو پاکستان کی شکل میں وہ خطہ ارض عطا ہو گیا جو اُنہوں نے مانگا تھا۔ شومی قسمت کہ پچاس برس بیت جانے کے باوجود سوئے منزل کوئی قابل ذکر پیش قدمی نہ ہو سکی۔ فاضل مصنف کے نزدیک اس بدنصیبی کی وجہ سیاسی قیادتیں' مذہبی پیشوائیت اور جاگیرداری پر مبنی مروجہ نظم معیشت ہیں جن کے آہنی شکنجے کے باوصف اسلامی فلاحی مملکت کا ہدف حاصل نہیں ہو سکا۔ اور نہ ہی اس ملک کے آزادانہ وجہ جواز کو ہی ثابت کیا جا سکا ہے۔ جناب فاروق عزیز کے بقول کتاب ہذا اس صورت حال کے تناظر میں وطن عزیز کو درپیش ہمہ نوع مشکلات کے حل کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں میں سے ایک کوشش ہے تاکہ اسلام کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنے کی سعی کی جائے اور پھر حاصل شدہ نتائج کو عملی پیش رفت کے لئے استعمال کیا جا سکے۔

زیر تبصرہ کتاب کل سات ابواب پر مشتمل ہے جن کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱) اسلام بحیثیت دین	۲) اسلامی معاشی نظام کی خصوصیات
۳) معاوضہ صرف محنت کا ہے	۴) الارض للّٰہ
۵) رزق اور تقسیم رزق	۶) انفاق فی سبیل اللّٰہ اور

۷) اسلامی معاشی اصول ـــــ عملی پہلو

کتاب ہذا کا ہر باب بلاشبہ نہایت بسیط اور اپنے عنوان پر پوری طرح محیط ہے۔ زبان نہایت شستہ اور سلیس ہے' عقلی دلائل و براہین سے لبریز ہے' نقل کا دائرہ مجموعی طور پر قرآن مجید تک محدود رکھا گیا ہے۔ اگرچہ مضمون و موضوع کی مناسبت سے آیات قرآنیہ کا انتخاب نہایت حسین اور انسب ہے۔ شاذ شاذ احادیث سے بھی استخراج و استشہاد کیا گیا ہے۔ تاہم اس کی کسی قدر صراحت آغاز سخن میں ہی کر دی گئی ہے۔

کتاب ہذا میں اسلام کو مذہب کی تنگ نگاہوں سے نکال کر دین کے وسیع کینسوس کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔ یہ دین ایسے کلیات پر مشتمل ہے جو کہ مکمل طور پر غیر لچک دار اور زمان و مکاں کی حدود و قیود سے ماوراء ہیں۔ نیز یہ کلیات انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر مکمل طور پر فوز و فلاح کے ضامن ہیں۔ ان کا ہدف محض اخروی سرخروئی ہی نہیں بلکہ دنیوی افزودگی و بالیدگی بھی ہے۔ نیز ان میں یہ ضمانت اور اہلیت و استعداد موجود ہے کہ جو معاشرہ وقت کے کسی بھی لمحے میں ان اصولوں پر استوار کیا جائے گا تو "استخلاف فی الارض" اس کا مقدر بنے گا۔

زیر نظر کتاب کے دوسرے باب میں اسلامی معاشی نظام کی خصوصیات پر ہمہ پہلو شرح و بسط سے بحث کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اسلام ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے جس کے تمام اعضاء و اجزاء نہایت مربوط و پیوست ہیں۔ معاشی پہلو اس کا ایک اہم حصہ ہے جسے دیگر اجزاء سے کسی طور الگ تھلگ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کی کوئی آزادانہ تعبیر ممکن ہے۔

فاضل مصنف نے زیر نظر کتاب کے باب ۳ میں اس امر واقعہ پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ اسلام فقط محنت کے معاوضہ کا قائل ہے۔ محنت کے علاوہ معاوضے کی کوئی اور شکل جائز و حلال نہیں ہے۔ محض سرمایہ یا اس کی کسی بھی ہیئت کے بل بوتے پر بغیر انسانی محنت کے معاوضہ کا حصول باطل اور حرام ہے۔ جناب فاروق عزیز نے سود و ربا کی ہر شکل' اجارہ و کرایہ داری' مزارعت و مضاربت' اثاثہ جات اور ان کی فرسودگی وغیرہ کے نام پر اکتساب رزق کے ہر معاملے کو اسلامی فلاحی مملکت کی روح کے منافی قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں یہ پرویزی و چنگیزی حیلہ سازیاں و خرمستیاں ہیں اور سرمایہ دارانہ مزاج اور جاگیردارانہ سماج کے ہتھکنڈے ہیں' جن کی بیخ کنی از بس ضروری ہے۔

جناب فاضل محقق نے ملکیت وسائل و اشیاء کے مسئلہ کو بھی اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ انسانی و خدائی ملکیت کے فرق و امتیاز کی وضاحت کے بعد عام اشیائے ضروریہ بالخصوص ایسی اشیاء کہ

جن کی پیداوار' حصول' فراہمی اور انتظام و انصرام میں انسانی محبت دخیل ہو' کی نجی ملکیت کے جواز کو عقل و نقل سے ثابت کیا ہے۔ مثلاً مکان' دوکان' مشین' آلات و اوزار' خام مال' نیم تیار شدہ اشیاء و حتمی پیداواریں وغیرہ۔ البتہ زمین' خودرو جنگلات' لکڑی' ثمرات وغیرہ' قدرتی آبی ذخائراور ان میں موجود وسائل رزق وغیرہ کی نجی ملکیت کے وہ ہرگز قائل نہیں۔ یہ تمام انسانوں کی اجتماعی ملکیت کے ذرائع ہیں جن سے تمتع و استفادہ ہر فرد نوع بشر بلاامتیاز و تخصص کر سکتا ہے۔

سود و ربا کے مختلف پہلوؤں' شکلوں' نظریات و تاویلات کا بہت عمدگی سے تجزیاتی ابطال کیا گیا ہے۔ کتاب کا یہ حصہ بطور خاص عمیق مطالعے اور گہرے غور و خوض کا متقاضی ہے' بالخصوص ایسے حضرات کے لئے جو سرمایہ کے صرفی و سرمائی استعمال میں فرق کو سود کے جواز کا سبب گردانتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے' جبکہ دعوائے ایمان اور تقویٰ و تدین پر بزعم خویش اتراتے پھرتے ہیں کہ

ع "دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں"

زیر نظر کتاب کے آخری باب میں اسلامی معاشی اصولوں کے عملی پہلوؤں کو تجزیہ و مشاہدہ کے محدب عدسہ کے فوکس میں لایا گیا ہے اور ان عملی اقدامات کی وضاحت کی گئی ہے جن کے اہتمام و شہود سے زمان و مکان کی قید کے بغیر مطلوب اسلامی فلاحی مملکت برپا کی جاسکتی ہے اور اس کے توسط سے دکھی' تشنہ لب' الم و استحصال گزیدہ' سرگرداں دنیائے انسانیت کے روبرو اسلام کی حقانیت واضح و مترشح کی جاسکتی ہے۔

ان جملہ اوصاف کے علی الرغم کتاب زیر نظر نہایت معقول قیمت پر دستیاب ہے۔

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

○ ایک مسلمان کی انفرادی واجتماعی ذمہ داریاں کون کونسی ہیں؟
○ دعوت و تبلیغ اور غلبہ دین کی جدوجہد اضافی نیکی کے کام ہیں یا بنیادی فرائض میں شامل ہیں؟
ان موضوعات پر ایک مختصر لیکن نہایت جامعہ کتابچہ
دینی فرائض کا جامع تصور
از : **ڈاکٹر اسرار احمد**' امیر تنظیم اسلامی
عمدہ کمپیوزر کتابت' صفحات 40' قیمت : اشاعت خاص 10 روپے' اشاعت عام 6 روپے
شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن
قرآن اکیڈمی 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم پر مشتمل
ڈاکٹر اسرار احمد' امیر تنظیم اسلامی
کے دس خطبات کا مجموعہ
منہج انقلاب نبوی
سیرت النبیؐ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط
صفحات ۳۸۴' قیمت : 72 روپے
شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن
قرآن اکیڈمی 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی کے زیر اہتمام
چوتھے ایک سالہ قرآن فہمی کورس کا آغاز

انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی کا قیام ۱۹۸۶ء میں عمل میں آیا' جبکہ قرآن اکیڈمی کی تعمیر ۸۹ء میں شروع ہوئی۔ ۱۹۹۱ء میں اکیڈمی میں باقاعدہ کام کا آغاز نگران انجمن جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے دورۂ ترجمہ قرآن سے ہوا۔

۱۹۹۲ء میں قرآن اکیڈمی میں پہلے ایک سالہ "قرآن فہمی کورس" کا آغاز ہوا' ۱۹۹۵ء تک یہ سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔ اس دوران بحیثیت مجموعی تین' ایک سالہ کورس منعقد ہوئے۔ ۱۹۹۵ء میں "قرآن کامرس کالج" کے اجراء کی وجہ سے ایک سالہ کورس کے انعقاد کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ قرآن کامرس کالج کی کارکردگی سال بہ سال ترقی پذیر ہے۔ ۹۷ء میں ایک سالہ کورس کا پھر سے منعقد کئے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔

انجمن خدام القرآن سندھ کے تحت چوتھا ایک سالہ قرآن فہمی کورس ۲۳/ فروری ۹۸ء سے شروع ہو چکا ہے۔ جس میں ۲۷ مرد اور ۷ خواتین شریک ہیں۔ شرکاء کورس میں سے اکثر خواتین و حضرات اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ ایک صاحب مع اپنی اہلیہ کے' امریکہ سے تشریف لائے ہیں۔

"قرآن فہمی کورس" کے نصاب میں اصول و قواعد تجوید' عربی گرائمر' مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب' مطالعہ حدیث' مسائل نماز مع ترجمہ' فارسی گرائمر کے بنیادی قواعد' اقبالیات اور تحریکی لٹریچر شامل ہیں۔

اساتذہ میں قابل ذکر نام جناب قاری سلیمان کا ہے' جنہیں علم تجوید کے اعتبار سے بلا مبالغہ استاذ الاساتذہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ موصوف تدریس کے لئے فی سبیل اللہ وقت دے رہے ہیں۔ باری تعالیٰ ان کے اس ایثار کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ عربی گرائمر کے

قواعد کی تدریس کے فرائض قاضی عبدالمتین اعزازی طور پر ادا کر رہے ہیں۔ قاضی صاحب پاکستان نیوی سے کمانڈر کے منصب سے ریٹائر ہوئے۔ ۹۵۔۱۹۹۴ء میں انھوں نے انجمن کے تحت ایک سالہ کورس میں شرکت کی اور مسلسل محنت سے اپنی عربی گرائمر کی استعداد میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ موصوف اکیڈمی میں شام کے اوقات میں بھی عربی گرائمر کلاسز میں طویل عرصے سے تدریس کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔

فارسی گرائمر کے قواعد کی تدریس اور اقبال کا فارسی کلام پڑھانے کی ذمہ داری حلقہ پنجاب جنوبی کے امیر مختار حسین فاروقی ادا کریں گے۔

(مرتب : انجینئر نوید احمد)

بقیہ : سیرت و سوانح

{۱۷} ضیاء الدین اصلاحی : تذکرہ ج ۲' ص ۱۳۶ تا ۱۴۱

{۱۸} سیوطی : الاتقان' ج ۲' ص ۱۹۰

{۱۹} شاہ عبدالعزیز : بستان المحدثین' ص ۴۱

{۲۰} ابن سبکی : طبقات الشافعیہ' ج ۳' ص ۶۵

{۲۱} ابن خلدون : مقدمہ ابن خلدون' ص ۴۸۵

{۲۲} عبدالرحمٰن مبارک پوری : مقدمہ تحفہ الاحوذی' ص ۷۳ و ۱۰۳

{۲۳} عبدالرحمٰن مبارک پوری : مقدمہ تحفہ الاحوذی' ص ۷۳ و ۱۰۳

{۲۴} شاہ عبدالعزیز : عجالہ نافعہ معہ فوائد جامعہ' ص ۶

{۲۵} ابن صلاح : مقدمہ ابن صلاح' ص ۱۱

{۲۶} ضیاء الدین اصلاحی : تذکرۃ المحدثین' ج ۲' ص ۱۵۷

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

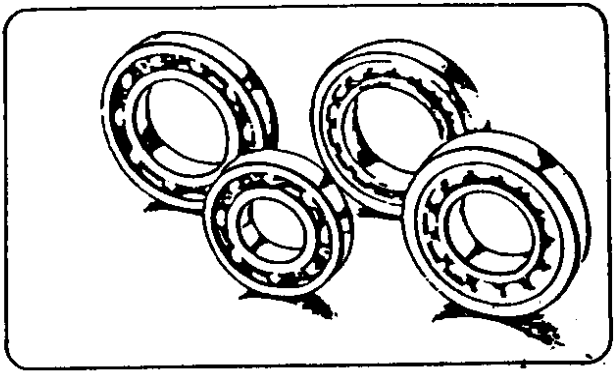

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

Apr. 1997 Reg. No. CPL. 126

MONTHLY Vol. 17

Hikmat-e-Quran

LAHORE No. 4

Quarterly Journal of the Qur'an Academy

The Qur'anic Horizons

Patron: Dr. Israr Ahmad

January-March 1998 issue is now available!

CONTENTS

- **Concept of Education in Islam**
  Dr. Absar Ahmad
- **Weaving the Fabric of a Scientific Knowledge**
  John (Yahya Ahmed) Herlihy
- **The Greatness of Prophet Muhammad (SAW)**
  Zafar Ali Qureshi
- **The Roots of Western Culture**
  Charles Gai Eaton (Hassan Abdul Hakeem)
- ***Ahadith:* Significance, Collection, & Criticism**
  Sultan-i-Rome

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore

36-K, Model Town, Lahore-54700

Phone: 5869501-3 Fax:5834000 E-Mail: anjuman@brain.net.pk